



نام کتاب : تیسیر الکرم الرحمن فی تفسیر الکلام المنان المعروف بتفسیر سعدی

(پارہ ۱۵)

مؤلف : فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن بن ناصر السعدی رحمۃ اللہ علیہ

تحقیق : عبدالرحمن بن معلّٰی اللویح حفظہ اللہ

ترجمہ قرآن : حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

ترجمہ تفسیر : پروفیسر طیب شاہین لودھی حفظہ اللہ

ناشر : دار السلام

## پاړه نمبر پندره 15

نمبر شمار	نام سورت	صفحه نمبر	شمار پاره
۱۷	سورة بنی اسرائیل	1444	۱۵
۱۸	سورة الکهف	1494	۱۵ - ۲۱

## تَفْسِيرُ سُورَةِ بَنِي إِسْرَآءِيلَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے (شرع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

۱۱  
بِأَنفِهَا  
۱۲  
رُفُوعُهَاسُبْحَنَ الَّذِي  
(۱۵) مَلَكُهُ  
(۱۶)

الْبُحْرَانُ الْخَاصُّ عَشْرًا (۱۵)

سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا

پاک ہے وہ (اللہ) جو لے گیا اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجد حرام (بیت اللہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک،

الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ أَيْتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ①

وہ جو برکت رکھی تھی ہم نے اس کے ارد گرد، تاکہ ہم دکھائیں اس کو اپنی کچھ نشانیاں بلاشبہ وہی ہے خوب سننے والا، دیکھنے والا ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی ذات مقدس کی تعزیر و تعظیم بیان کرتا ہے کیونکہ اس کے افعال بہت عظیم اور اس کے

احسانات بہت جسیم ہیں۔ اس کے جملہ افعال و احسانات میں سے ایک یہ ہے ﴿أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا﴾ ”وہ

رات کے ایک حصے میں اپنے بندے کو لے گیا۔“ یعنی وہ اپنے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کو راتوں رات لے گیا ﴿مِّنَ

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ”مسجد حرام سے“ جو علی الاطلاق تمام مساجد میں جلیل ترین مسجد ہے۔ ﴿إِلَى الْمَسْجِدِ

الْأَقْصَا﴾ ”مسجد اقصیٰ تک“ جو فضیلت والی مسجدوں میں شمار ہوتی ہے اور وہ انبیاء کرام کی سرزمین ہے۔

جناب نبی مجتبیٰ ﷺ کو ایک ہی رات میں بہت دور مسافت تک لے جایا گیا پھر اسی رات واپس لایا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی نشانیاں دکھائیں جن سے ہدایت، بصیرت، ثبات اور قوت تفریق و امتیاز میں اضافہ ہوا۔ یہ

سب کچھ اللہ تعالیٰ کی آپ پر عنایت اور لطف و کرم ہے کہ اس نے تمام امور میں آپ کے لئے بھلائی کو آسان فرما

دیا اور آپ کو ایسی ایسی نعمتوں سے نوازا جن کی بنا پر آپ نے تمام اولین و آخرین پر فوقیت حاصل کی۔ آیت کریمہ

سے ظاہر ہوتا ہے کہ ”اسراء“ کا یہ واقعہ رات کے ابتدائی حصے میں پیش آیا اور سفر مسجد حرام سے شروع ہوا مگر صحیح

حدیث میں آتا ہے کہ آپ کو حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر سے رات کے اس سفر پر لے جایا گیا۔ ① اس سے ظاہر

ہوا کہ مسجد حرام کو جو فضیلت حاصل ہے وہ تمام حرم کے لئے ہے۔ حرم میں عبادات کا ثواب اسی طرح کئی گنا بڑھ

جاتا ہے جس طرح مسجد حرام میں عبادت کا ثواب کئی گنا ہو جاتا ہے نیز یہ ”اسراء“ (معراج) کا واقعہ آپ کو بیک

وقت جسم اور روح کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اگر آپ کو معراج جسم اور روح کے ساتھ نہ ہوئی ہوتی تو اس میں ”آیت

کبریٰ“ کا کوئی مفہوم ہے نہ کسی بڑی منقبت کا کوئی پہلو ہے۔ ②

① تفسیر طبری: ۵۱۹

② صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب كان النبي ﷺ تمام عينه..... الخ، حدیث: ۳۵۷۰

معراج کے واقعہ میں نبی اکرم ﷺ سے بہت سی صحیح احادیث منقول ہیں ان میں ان تمام امور کی تفصیل مذکور ہیں جن کا آپ نے مشاہدہ کیا۔ آپ کو بیت المقدس لے جایا گیا وہاں سے آسمانوں پر لے جایا گیا حتیٰ کہ آپ تمام آسمانوں کے اوپر چلے گئے۔ وہاں آپ نے جنت، جہنم اور تمام انبیاء کرام کو ان کے مراتب کے مطابق دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر پچاس نمازیں فرض کیں، پھر آپ موسیٰ علیہ السلام کے مشورے سے بار بار اپنے رب کے حضور حاضر ہوتے رہے حتیٰ کہ وہ بالفعل پانچ ہو گئیں مگر ان کا ثواب پچاس نمازوں کا ہے۔ اس رات آپ کو اور آپ کی امت کو بہت سے مفاخر عطا کئے گئے جن کی مقدار کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہاں قرآن مجید کو نازل کرنے کے ذکر کے مقام پر (سورہ فرقان میں) اور جہاں قرآن کی بابت چیلنج کیا گیا، (سورہ بقرہ میں) ان تینوں مقامات میں نبی ﷺ کی صفت عبودیت (آپ کے بندے ہونے کی خوبی) کو بیان فرمایا، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ مقامات بلند اپنے رب کی عبودیت کی تکمیل کی وجہ ہی سے حاصل کئے ہیں۔

﴿الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ﴾ ”وہ جس کے گرد ہم نے برکت رکھی ہے“ یعنی درختوں، دریاؤں اور سدا بہار شادابی کے ذریعے سے برکت عطا کی اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی برکت ہی ہے کہ مسجد اقصیٰ کو مسجد حرام اور مسجد نبوی کے سوا دیگر تمام مسجدوں پر فضیلت عطا کی گئی، نیز مسجد اقصیٰ میں عبادت کرنے اور نماز پڑھنے کے لئے دور سے سفر کر کے جانا مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین کو اپنے نبیوں اور چنے ہوئے بندوں کے رہنے کے لئے مختص فرمایا۔

وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ أَلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِي

اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور بنایا ہم نے اسے ہدایت بنی اسرائیل کے لیے، یہ کہ نہ پڑو تم سوائے میرے (کسی کو بھی)

وَكَيْلًا ۖ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَصَلْنَا مَعَهُ نُوحٌ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ۝ وَقَضَيْنَا

کار ساز ۝ (اے) اولاد ان لوگوں کی! جنہیں سوار کیا تھا ہم نے (کشتی میں) ساتھ نوح کے، بیشک وہ تھا بندہ نہایت شکر گزار ۝ اور فیصلہ سنایا ہم نے

إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوقًا

بنی اسرائیل کو کتاب (تورات) میں؛ البتہ تم ضرور فساد کرو گے زمین میں دو بار، اور البتہ تم ضرور سرکشی کرو گے سرکشی

كَبِيرًا ۝ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ

بہت بڑی ۝ پھر جب آ گیا وعدہ پہلا ان دونوں میں سے تو مسلط کر دیے ہم نے تم پر بندے اپنے ہڑائی والے نہایت سخت،

فَجَاسُوا خِلَالِ الدِّيَارِ ۖ وَكَانَ وَعْدًا مَفْعُولًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَ

پس گھس گئے وہ درمیان شہروں کے، (قتل و غارت کیلئے) اور تھا یہ وعدہ (پورا) کیا ہوا ۝ پھر دوبارہ دے دیا ہم نے تمہیں غلبہ ان پر اور

أَمَدَدْنَكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۖ إِنَّ أَحْسَنَهُمْ أَحْسَنُكُمْ

بڑھایا ہم نے تمہیں ساتھ مالوں اور بیٹوں کے، اور کر دیا ہم نے تمہیں زیادہ تعداد میں ۝ اگر نیکی (اچھائی) کرو گے تم تو نیکی کرو گے



لَا نَفْسُكُمْ تَفٍّ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ط فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَهُمْ

اپنے نفسوں کیلئے، اور اگر برائی کرو گے تم تو (وہ بھی) اسی کیلئے ہوگی، پھر جب آیا وعدہ دوسرا (تو مسلط کئے ہم نے اور بندے تم پر) تاکہ وہ گناہیں تمہارے چہرے

وَلْيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا ۝ عَسَىٰ

اور تاکہ وہ داخل ہو جائیں مسجد (آہنی) میں جیسا کہ وہ داخل ہوئے تھے پہلی بار، اور تاکہ وہ تباہ کر دیں اس چیز کو جس پر غلبہ آئیں (کھل) تباہ کرنا ۝ قریب ہے

رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمۥ ۚ وَإِنْ عُذْتُمْ عُنَانًا مَّ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ۝

تمہارا رب، یہ کہ وہ رحم کرے تم پر، اور اگر تم دوبارہ (سرکشی) کرو گے تو ہم بھی دوبارہ (سزا) دیں گے اور بنایا ہے ہم نے جہنم کافروں کیلئے قید خانہ ۝

اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر نبوت محمدی اور نبوت موسویٰ قرآن اور تورات اور دونوں کی شریعتوں کو

مقرون (ساتھ ساتھ) بیان کیا ہے کیونکہ دونوں کی کتابیں سب سے افضل دونوں کی شریعتیں سب سے کامل دونوں

کی نبوتیں سب سے اعلیٰ اور دونوں کے پیروکار سب سے زیادہ ہیں۔ اس لئے یہاں فرمایا: ﴿وَآتَيْنَا مُوسَىٰ

الْكِتَابَ﴾ ”اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب“، یعنی تورات ﴿وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ﴾ ”اور کیا اس کو

ہدایت واسطے بنی اسرائیل کے“، یعنی بنی اسرائیل جہالت کی تاریکیوں میں علم حق تک پہنچنے کے لئے تورات سے

راہنمائی حاصل کرتے تھے۔ ہم نے ان سے کہا ﴿أَلَّا تَتَذَكَّرُونَ ۚ وَمِنْ دُونِي وَكِيلٌ﴾ ”تم میرے سوا کسی کو کار

ساز نہ بنانا“ اور ہم نے اس مقصد کے لیے ان کی طرف کتاب نازل کی تاکہ وہ اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں

صرف اسی کی طرف رجوع کریں اپنے دینی اور دنیاوی امور میں اکیلے اسی کو اپنا کارساز اور مددبر بنائیں۔ اللہ تعالیٰ

کے سوا مخلوق کے ساتھ الوہیت کا کوئی تعلق نہ رکھیں جو کسی چیز کی مالک نہیں اور نہ وہ انہیں کوئی نفع دے سکتی ہے۔

﴿ذُرِّيَّةٌ مِّنْ حَمَلِنَا مَعَ نُوحٍ﴾ ”اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا“، یعنی

اے ان لوگوں کی اولاد جن پر ہم نے احسان کیا۔ ﴿إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا﴾ ”بلاشبہ وہ شکر گزار بندہ تھا“ اس

میں نوح علیہ السلام کی ان کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے اور شکر گزاری کی صفت سے موصوف ہونے کی بنا پر مدح و ثنا

ہے اور ان کی ذریت کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ شکر کے بارے میں نوح علیہ السلام کی پیروی کریں اور اللہ کی اس نعمت

کو یاد کریں جس سے اس نے انہیں نوازا جب اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا کر باقی رکھا اور ان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا

اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں کو غرق کر دیا۔ ﴿وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ﴾ ”اور صاف کہہ سنایا ہم نے بنی اسرائیل

کو“، یعنی ہم نے ان کے بارے میں فیصلہ کیا اور انہیں ان کی کتاب میں آگاہ کیا کہ وہ نافرمانیوں اللہ تعالیٰ کی

نعمتوں کی ناشکری اور زمین میں تکبر اور اقتدار کی بنا پر زمین میں دوبارہ فساد پھیلانے کا باعث بنیں گے۔ جب ان

کی طرف سے ایک فساد واقع ہوا تو ہم نے ان پر دشمنوں کو مسلط کر دیا جو ان سے انتقام لیتے تھے۔ یہ ان کے لئے

تذکرہ و انداز تھا شاید کہ وہ لوٹ آئیں اور نصیحت پکڑیں۔

﴿فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا﴾ ”پس جب پہلے وعدے کا وقت آیا“، یعنی جب دوسرے مرتبہ فساد کرنے کے وعدے

میں سے پہلے وعدے کا وقت آ گیا یعنی ان سے فساد واقع ہوا ﴿بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ﴾ ”تو ہم نے تم پر مسلط کر دیے۔“ یعنی ہم نے نکوین، تقدیر اور جزا کے طور پر تم پر مسلط کر دیے ﴿عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ﴾ ”اپنے بندے سخت لڑائی والے، بہت کثیر تعداد میں بہادر بندے جن کو اللہ نے تم پر فتح و نصرت عطا کی، انہوں نے تمہیں قتل کیا، تمہاری اولاد کو غلام بنایا اور تمہارے مال و متاع کو لوٹا۔“ ﴿فَجَاسُوا خِلَالِ الدِّيَارِ﴾ ”پس وہ شہروں کے اندر پھیل گئے۔“ یعنی وہ تمہارے گھروں میں گھس گئے اور انہیں کوہنہس نہس کر دیا۔ انہوں نے مسجد اقصیٰ میں داخل ہو کر مسجد کو برباد کر دیا۔ ﴿وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا﴾ ”اور وہ وعدہ ہونا ہی تھا“ چونکہ انہوں نے اس وعدے کے پورے ہونے کے تمام اسباب مہیا کر دیئے تھے لہذا اس وعدے کا پورا ہونا ضروری تھا۔ اصحاب تفسیر کا مسلط ہونے والی قوم کے تعین کے بارے میں اختلاف ہے البتہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ وہ کافر تھے۔ اس قوم کا تعلق یا تو عراق سے تھا یا وہ جزیرۃ العرب سے تھی یا ان کے علاوہ کوئی اور قوم تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بنی اسرائیل پر مسلط کر دیا کیونکہ ان کی نافرمانیاں بڑھ گئی تھیں، انہوں نے شریعت کے اکثر احکام کو پس پشت ڈال دیا اور انہوں نے زمین میں سرکشی اختیار کر لی تھی۔

﴿ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ﴾ ”پھر ہم نے پھیر دی تمہاری باری ان پر“ یعنی پھر ہم نے تمہیں اس متغلب کافر قوم پر غلبہ عطا کیا اور تم نے انہیں اپنے شہروں سے نکال باہر کیا ﴿وَأَمَدْنَكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ﴾ ”اور قوت دی ہم نے تم کو مالوں سے اور بیٹوں سے“ یعنی ہم نے نہایت کثرت سے تمہیں رزق عطا کیا، تمہاری تعداد کو زیادہ کر دیا اور تمہیں ان کے مقابلے میں طاقتور بنا دیا۔ ﴿وَجَعَلْنَكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا﴾ ”اور تمہاری نفری کو ان کے مقابلے میں بڑھا دیا“ اور اس کا سبب تمہارے نیک کام اور اللہ کے سامنے تمہارا خشوع و خضوع تھا۔

﴿إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ﴾ ”اگر بھلائی کی تم نے تو بھلائی کی اپنے لئے“، یعنی تمہاری نیکی کا فائدہ تمہاری ہی طرف لوٹے گا حتیٰ کہ دنیا میں بھی تمہیں ہی فائدہ ہوگا جیسا کہ تم نے مشاہدہ کر لیا ہے کہ دشمن کے مقابلے میں تم فتح یاب ہوئے۔ ﴿وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا﴾ ”اور اگر برائی کی تو اپنے لئے“، یعنی اگر تم برائی کا ارتکاب کرتے ہو تو اس کا نقصان بھی خود تمہاری طرف لوٹے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بد اعمالیوں کی پاداش میں تمہارے دشمنوں کو تم پر مسلط کر دیا تھا۔ ﴿فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ﴾ ”پس جب دوسرے وعدے کا وقت آیا“ جس میں ذکر تھا کہ تم زمین میں فساد برپا کرو گے، ہم نے تم پر دشمنوں کو مسلط کر دیا ﴿لِيَسُوًّا أَوُجُوهَكُمْ﴾ ”تا کہ وہ تمہارے چہروں کو بگاڑ دیں۔“ یعنی وہ فتح یاب ہو کر تمہیں غلام بنائیں اور چہروں کو بگاڑ دیں۔ ﴿وَلِيَذْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ”اور گھس جائیں مسجد میں جیسے گھس گئے تھے وہ پہلی بار“ یہاں مسجد سے مراد بیت المقدس ہے ﴿وَلِيُتَبَرَّوْا﴾ ”اور خراب کر دیں“، یعنی اجازت کر پیوند زمین کر دیں ﴿مَا عَلَوْا﴾ ”جس جگہ پر وہ غالب



آجائیں۔“ **﴿تَنْبِيْراً﴾** ”پوری طرح خراب کرنا“، پس وہ تمہارے گھروں، تمہاری عبادت گاہوں اور تمہارے کھیتوں کو تمہیں نہیں کر کے رکھ دیں۔

**﴿عَسَىٰ رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ﴾** ”بعید نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے“، یعنی ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں ان پر فتح و نصرت عطا کرے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کرتے ہوئے انہیں دوبارہ حکومت عطا کی اور انہیں نافرمانیوں پر وعید سناتے ہوئے فرمایا: **﴿وَ اِنْ عُدْتُمْ﴾** ”اور اگر تم پھر وہی کرو گے“، یعنی اگر تم زمین میں فساد برپا کرنے کا اعادہ کرو گے **﴿عُدْنَا﴾** ”تو ہم پھر وہی کریں گے“، ہم بھی تمہیں دوبارہ سزا دیں گے۔ پس انہوں نے زمین میں دوبارہ فساد برپا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کو مسلط کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے سے ان سے انتقام لیا۔ یہ تو ہے دنیا کی سزا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جو آخرت کی سزا ہے وہ اس سے زیادہ بڑی اور رسوا کن ہے اس لئے فرمایا: **﴿وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِيْنَ حَصِيْرًا﴾** ”اور کیا ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ“ جس میں وہ جھونکے جائیں گے، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کبھی نہ نکلیں گے۔ ان آیات کریمہ میں اس امت کے لئے تحذیر و تنویف ہے کہ وہ معاصی سے بچیں ایسا نہ ہو کہ ان کو بھی سزا دی جائے جو بنی اسرائیل کو دی گئی تھی۔ سنت الہی ایک ہی ہے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں آتا۔ جو کوئی اس بارے میں غور و فکر کرے کہ کس طرح کفار مسلمانوں پر مسلط ہوئے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ ان کے گناہوں کی سزا ہے۔ کیونکہ (اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ) جب مسلمان قرآن اور سنت کو نافذ کریں گے تو وہ انہیں زمین کا اقتدار عطا کرے گا اور ان کے دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کرے گا۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلسَّبِيْلِ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ

بیشک یہ قرآن ہدایت دیتا ہے اس (راہ) کی جو سب (راہوں) سے زیادہ سیدھی ہے، اور خوشخبری دیتا ہے مومنوں کو، وہ لوگ جو

يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۙ وَاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

عمل کرتے ہیں نیک، کہ بے شک ان کے لیے ہے اجر بہت بڑا ۙ اور (یہ کہ) بلاشبہ وہ لوگ جو نہیں ایمان لاتے

بِالْآخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

ساتھ آخرت کے، تیار کیا ہے ہم نے ان کے لیے عذاب بہت دردناک ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن کریم کے شرف اور اس کی جلالت شان کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے اور یہ کہ وہ **﴿يَهْدِيْ لِلسَّبِيْلِ هِيَ اَقْوَمُ﴾** ”بتلاتا ہے وہ راستہ جو سب سے زیادہ سیدھا ہے“، یعنی عقائد، اعمال اور اخلاق کے بارے میں زیادہ معتدل اور بلند موقف کا حامل ہے، لہذا جو کوئی ان امور سے راہنمائی حاصل کرتا ہے جن کی طرف قرآن دعوت دیتا ہے تو وہ تمام امور میں تمام لوگوں سے زیادہ کامل، سب سے زیادہ درست اور سب سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے۔ **﴿وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ﴾** ”اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو جو

اچھے عمل کرتے ہیں، یعنی واجبات و سنن ادا کرتے ہیں ﴿أَن لَّهُمْ أَجْرًا كَثِيرًا﴾ ”کہ ان کے لئے ہے بڑا ثواب“ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے عزت والے گھر میں تیار کر رکھا ہے جس کے وصف کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ﴿وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ ”اور یہ کہ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے“ ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔“ قرآن کریم تبشیر و انداز پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ اسباب ذکر فرمادیئے ہیں جن کی بنا پر بشارت ملتی ہے اور وہ ہیں ایمان اور عمل صالح اور ان اسباب کا بھی ذکر فرمایا ہے جو انداز کا مستحق ٹھہراتے ہیں اور وہ ہیں ایمان اور عمل صالح کے متضاد امور۔

وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ط وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ۝۱۱

اور دعاء مانگتا ہے انسان برائی کی مانند دعا مانگنے اس کے بھلائی کی، اور ہے انسان نہایت جلد باز ○

یہ انسان کی جہالت اور غلت پسندی ہے کہ وہ غیظ و غضب کے وقت اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے بددعا کرنے میں جلدی کرتا ہے جس طرح اچھی دعا کرنے میں جلدی کرتا ہے مگر یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہے کہ وہ اس کی اچھی دعا کو قبول کر لیتا ہے اور بددعا کو قبول نہیں کرتا۔ ﴿وَلَوْ يَعْجَلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَفُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ﴾ (یونس: ۱۱۱۰) ”اگر اللہ ان کے ساتھ برا معاملہ کرنے میں اتنی ہی جلدی کرتا جیسے کہ وہ جلدی خیر مانگتے ہیں تو ان کی مدت مقررہ کے خاتمہ کا فیصلہ کر دیا جاتا۔“

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحْوًا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ

اور بنایا ہم نے رات کو اور دن کو دو نشانیاں، پھر مٹا دی ہم نے نشانی رات کی، اور بنا دی ہم نے نشانی دن کی

مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ط

دکھانے والی (ہر چیز کو) تاکہ تم تلاش کرو فضل (رزق) اپنے رب کا، اور تاکہ تم جان لو گنتی سالوں کی اور حساب،

وَكُلَّ شَيْءٍ فَضَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا ۝۱۲

اور ہر چیز، خوب بیان کیا ہے ہم نے اس کو تفصیل کے ساتھ ○

﴿وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ﴾ ”اور ہم نے دن اور رات کو دو نشانیاں بنایا۔“ یعنی یہ دن رات اللہ تعالیٰ

کی قدرت کاملہ اور بے پایاں رحمت پر دلالت کرتے ہیں نیز یہ کہ صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔ ﴿فَمَحْوًا آيَةَ اللَّيْلِ﴾

”پھر مٹا دیا ہم نے رات کی نشانی کو“، یعنی ہم نے رات کو تاریک بنایا تاکہ لوگ اس میں سکون اور

راحت حاصل کریں ﴿وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً﴾ ”اور بنایا دن کی نشانی کو دکھلانے والی“، یعنی روشن ﴿لِتَبْتَغُوا

فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ﴾ ”تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔“ اپنی معاش، اپنی صنعت و حرفت، اپنی تجارت اور اپنے

سفر میں اللہ کا فضل تلاش کرو۔ ﴿لِتَعْلَمُوا﴾ ”اور تاکہ تم جان لو“ رات اور دن کے پے درپے آنے جانے اور



چاند کے گھٹنے بڑھنے سے ﴿عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابِ﴾ ”برسوں کا شمار اور حساب“ پس تم جیسے چاہتے ہو دنوں کے اس حساب و کتاب پر اپنے مصالح کی بنیاد رکھتے ہو۔ ﴿وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا﴾ ”اور ہر چیز کو ہم نے کھول کر بیان کر دیا ہے“ یعنی ہم نے آیات کو واضح کر کے ان کو مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے تاکہ چیزیں ایک دوسرے سے ممتاز ہوں اور باطل میں سے حق نمایاں اور واضح ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مَا فَزَّنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (الانعام: ۳۸/۶) ”ہم نے نوشتہء تقدیر میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔“

وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ كِتَابًا أَوْ يَلْقَاهُ مَنشُورًا ﴿١٣﴾ اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ﴿١٤﴾  
 وہ دیکھے گا اسے کھلی ہوئی ○ (اسے کہا جائے گا) پڑھ لے اپنا اعمال نامہ، کافی ہے تیرا نفس ہی آج، تجھ پر حساب لینے والا ○  
 یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے عدل کامل کے بارے میں خبر ہے، نیز یہ کہ ہر انسان کا اعمال نامہ اس کے گلے میں لٹکا ہوا ہے، یعنی بندہ جو اچھا یا برا کام سرانجام دیتا ہے وہ اسی کے ساتھ لازم ہوتا ہے وہ کسی دوسرے کی طرف متعدی نہیں ہوتا اور کسی دوسرے کے عمل کا حساب اس سے لیا جائے گا نہ اس کا حساب کسی اور سے لیا جائے گا۔ ﴿وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا﴾ ”اور نکال دکھائیں گے ہم اس کو قیامت کے دن ایک کتاب وہ دیکھے گا اس کو کھلی ہوئی“ اس کتاب میں اس کے تمام اچھے اور برے چھوٹے اور بڑے تمام اعمال موجود ہوں گے اس سے کہا جائے گا: ﴿اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا﴾ ”پڑھ لے اپنی کتاب تو ہی کافی ہے آج کے دن اپنا حساب لینے والا“ یہ سب سے بڑا عدل و انصاف ہے کہ بندے سے کہا جائے کہ وہ اپنے نفس کا محاسبہ کرے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کے ذمہ کون کون سے حقوق ہیں جو سزا کے موجب ہیں۔

مَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّٰ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا  
 جس شخص نے ہدایت پائی تو یقیناً وہ ہدایت پاتا ہے اپنے نفس ہی کے (فائدے کے) لئے اور جو کوئی گمراہ ہوا تو یقیناً وہ گمراہ ہوتا ہے اپنے نفس ہی پر،  
 وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ﴿١٥﴾  
 اور نہیں بوجھ اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا، بوجھ کسی دوسرے کا، اور نہیں ہیں ہم عذاب دینے والے، جب تک کہ (نہ) بھیجیں ہم کوئی رسول ○  
 یعنی ہر نفس کی ہدایت اور گمراہی خود اس کے لئے ہے کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور نہ ذرہ بھر تکلیف اس سے دور ہٹا سکے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سب سے بڑا عادل ہے وہ اس وقت تک کسی کو عذاب نہیں دے گا جب تک کہ اس پر رسالت کی حجت قائم نہ ہو جائے اور یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے اس حجت کے ساتھ عناد کا مظاہرہ کیا۔ رہا وہ شخص جس نے رسالت کی اس حجت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا یا اس کے پاس حجت پہنچی ہی نہیں

تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو عذاب نہیں دے گا۔ اس آیت کریمہ سے استدلال کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل فترات (یعنی اس زمانے یا علاقے کے لوگ جن تک نبوت نہیں پہنچی) اور مشرکین کے بچوں کو عذاب نہیں دے گا جب تک کہ ان کی طرف رسول نہ بھیج لے کیونکہ وہ ظلم سے پاک اور منزه ہے۔

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ

اور جب چاہتے ہیں ہم یہ کہ ہلاک کریں کسی بستی کو تو حکم دیتے ہیں ہم اسکے خوشحال لوگوں کو تو وہ نافرمانی کرتے ہیں اس میں، پھر ثابت ہو جاتی ہے

عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ۱۶ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ

اس (بستی) پر بات (عذاب کی)، پس تباہ کر دیتے ہیں ہم اسے (مکمل) برباد کرنا اور کتنی ہی ہلاک کر دیں ہم نے تو میں

مِنْ بَعْدِ نُوحٍ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۱۷

بعد نوح کے، اور کافی ہے آپ کا رب، اپنے بندوں کے گناہوں کی خوب خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ جب کبھی وہ کسی ظالم بستی کو ہلاک کرنا اور عذاب کے ذریعے سے اس کا استیصال کرنا چاہتا ہے تو وہ اس میں رہنے والے خوشحال لوگوں کو حکم دیتا ہے..... یعنی کوئی و قدری حکم..... وہ اس میں نافرمانیاں کرتے ہیں اور ان کی سرکشی بڑھ جاتی ہے۔ ﴿فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ﴾ ”تب ثابت ہو جاتی ہے ان پر بات“ یعنی کلمہ عذاب جسے کوئی نہیں ٹال سکتا ﴿فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا﴾ ”پس اس بستی کو ہم ہلاک کر کے رکھ دیتے ہیں۔“

نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد بہت سی قوموں کو اللہ تعالیٰ نے عذاب کے ذریعے سے ہلاک کیا، مثلاً عاد و ثمود اور قوم لوط وغیرہ۔ یہ وہ تو میں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے سزا دی کیونکہ جب ان کی بغاوت بہت زیادہ ہو گئی اور ان کا کفر بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا بڑا عذاب نازل کر دیا۔ ﴿وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا﴾ ”اور کافی ہے آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کو جاننے والا دیکھنے والا۔“ پس بندوں کو اس کی طرف سے کسی ظلم کا خوف نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صرف ان کے اپنے اعمال کی سزا دیتا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا

جو چاہتا ہے جلدی والی (دنیا) تو جلدی دے دیتے ہیں ہم اسکو، اس (دنیا) میں جو ہم چاہتے ہیں، جس کیلئے ہم چاہتے ہیں، پھر ٹھہرا دیتے ہیں ہم

لَهُ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا ۱۸ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا

اس کیلئے جہنم، وہ داخل ہوگا اس میں ملامت زدہ، دھتکارا ہوا اور جو کوئی چاہتا ہے آخرت، اور کوشش کرتا ہے اس کے لئے،

سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۱۹ كَلَّا نَبْدُ هَٰؤُلَاءِ

اسکے لائق کوشش، جبکہ وہ مومن بھی ہے، تو یہی لوگ ہیں کہ ہر کوشش ان کی قابل قدر ہے ہر ایک کو، ہم نوازتے ہیں، ان کو بھی

وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ۲۰ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا

اور ان کو بھی عطیے سے آپ کے رب کے، اور نہیں ہے عطیہ آپ کے رب کا روکا ہوا (کسی سے بھی) O دیکھئے! اس طرح فضیلت دی ہے ہم نے



## بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ ۖ وَلِلْآخِرَةِ الْكِبَرُ دَرَجَاتٍ ۖ وَالْأَكْبَرُ تَفْضِيلًا ۝۳۱

ان کے بعض کو اوپر بعض کے؟ اور البتہ آخرت تو بڑھ کر ہے درجوں میں، اور بڑھ کر ہے باعتبار فضیلت کے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے۔ ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ﴾ ”جو شخص دنیا کا خواہش مند ہو۔“ یعنی جو کوئی ختم اور زائل ہو جانے والی دنیا چاہتا ہے وہ اس کے لئے عمل اور کوشش کرتا ہے اس کی ابتدا یا انتہا کو فراموش کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ جلدی سے دنیا کے وہ ٹکڑے اور اس کا مال و متاع اسے عطا کر دیتا ہے جسے وہ چاہتا تھا اور اس کا ارادہ رکھتا تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا۔ مگر یہ متاع دنیا فائدہ دینے والی ہے نہ ہمیشہ رہنے والی ہے۔ پھر آخرت میں اس کے لئے ﴿جَهَنَّمَ يَصْلَهَا﴾ ”جہنم ہے جس میں وہ داخل ہوگا“، یعنی اس کے عذاب میں ڈالا جائے گا۔ ﴿مَنْ مُؤَمَّمًا مَذْهُورًا﴾ ”مذموم اور راندہ ہو کر۔“ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کی طرف سے مذمت رسوائی اور فضیحت کی حالت میں ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بہت دور ہوگا اس کے لئے رسوائی اور عذاب کو جمع کر دیا جائے گا۔ ﴿وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ﴾ ”جو آخرت چاہتا ہے“ اس پر راضی ہے اور اسے دنیا کے مال و متاع پر ترجیح دیتا ہے ﴿وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا﴾ ”اور اس کے لیے اتنی کوشش کرتا ہے جتنی اسے لائق ہے۔“ یعنی جس کی طرف تمام کتب سماوی اور آثار نبوت نے دعوت دی ہے اور امکان بھر اس کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ ”اور وہ مومن بھی ہے۔“ یعنی وہ اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اس کے رسولوں اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ ﴿فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا﴾ ”پس یہی وہ لوگ ہیں جن کی کوشش مقبول ہے۔“ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں نشوونما پا کر جمع ہوتی رہے گی۔ ان کا اجر و ثواب ان کے رب کے پاس ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ دنیا کے حصے سے بھی محروم نہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو سامان زیست عطا کرتا ہے کیونکہ یہ اس کی عطا اور اس کا فضل و احسان ہے ﴿وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا﴾ ”اور تیرے رب کی عطاء و بخشش رکی ہوئی نہیں۔“ یعنی اللہ کی عطا کسی کے لئے ممنوع نہیں بلکہ تمام مخلوق اس کے فضل و کرم سے بہرہ ور ہو رہی ہے۔ ﴿أَنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ ”دیکھو کیسے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی“، یعنی کیسے ہم نے ان کو دنیا میں رزق کی کشادگی اور کمی آسانی اور تنگی علم اور جہالت عقل اور سفہت وغیرہ امور میں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ ﴿وَلِلْآخِرَةِ الْكِبَرُ دَرَجَاتٍ ۖ وَالْأَكْبَرُ تَفْضِيلًا﴾ ”اور آخرت کے گھر میں تو اور بڑے درجے ہیں اور بڑی فضیلت“ دنیا کی لذتوں اور نعمتوں کو آخرت سے کسی لحاظ سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ کتنے ہی لوگ بلند و بالا مخلوق مختلف انواع کی لذتوں فرحتوں خوبصورت چیزوں سے حظ اٹھاتے ہوں گے اور دوسری طرف وہ لوگ ہوں گے جن کو جہنم میں جھونک دیا گیا ہوگا وہاں وہ دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے اور رب رحیم کی سخت ناراضی ان پر نازل ہوگی اور دنیا و آخرت کے لوگوں میں اس قدر تفاوت ہے کہ کسی

کے لئے اس کا شمار کرنا ممکن نہیں ہے۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخْذُولًا ﴿٢٢﴾

نہ ٹھہرائیں آپ ساتھ اللہ کے معبود دوسرا، پھر بیٹھ رہیں گے آپ ملامت زدہ، بے یار و مددگار ○

یعنی یہ اعتقاد نہ رکھ کہ مخلوق میں سے کوئی ہستی کسی قسم کی عبادت کی مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا کیونکہ شرک مذمت اور خذلان کو دعوت دیتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں نے شرک سے روکا ہے اور شرک کی سخت مذمت کی ہے اور اسے اس شرک کی بنا پر انتہائی مذموم ناموں سے موسوم اور قبیح اوصاف سے موصوف کیا ہے۔ جو اس شرک کا مرتکب ہے وہ بدترین اوصاف اور قبیح ترین صفات سے متصف ہے۔ وہ جتنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو ترک کرتا ہے اس کے مطابق اللہ تعالیٰ اس کے دینی اور دنیاوی معاملات میں اسے اپنے حال پر چھوڑ کر اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ پس جو کوئی اس کے سوا کسی اور سے تعلق قائم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور اس کو اسی کے سپرد کر دیتا ہے جس کے ساتھ وہ تعلق جوڑتا ہے اور مخلوق میں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور ہستی کو معبود بنا لیتا ہے وہ مذمت و خذلان کا مستحق ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کو ایک گردانتا ہے اس کے لئے اپنے دین کو خالص کرتا ہے اور دوسروں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق جوڑتا ہے وہ قابل ستائش ہے اور اس کے تمام احوال میں اس کی دست گیری کی جاتی ہے۔

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ط إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ

اور فیصلہ کر دیا آپ کے رب نے یہ کہ نہ عبادت کرو تم گمراہی کی اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا، اگر پہنچے تیرے سامنے بڑھاپے کو

أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آفٌ وَلَا تُنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿٢٣﴾

ایک ان دونوں میں سے یا (وہ) دونوں ہی تو نہ کہہ تو ان سے ”آف“ بھی، اور نہ جھڑک تو انہیں، اور کہہ تو ان دونوں کیلئے بات نرم لہجے میں ○

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا ﴿٢٤﴾

اور جھکائے رکھ تو ان دونوں کیلئے بازو عاجزی کا، نیاز مندی سے، اور کہنا سے رب ارحم فرمان دونوں پر جیسا کہ پرورش کی انہوں نے میری بچپن میں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے شرک سے منع کرنے کے بعد توحید کا حکم دیا ہے چنانچہ فرمایا: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ﴾ ”آپ کے رب نے (دینی) فیصلہ کر دیا“ اور شرعی حکم دے دیا ہے ﴿أَلَّا تَعْبُدُوا﴾ ”کہ تم عبادت نہ کرو۔“ یعنی زمین اور آسمان کے رہنے والوں زندوں یا مردوں میں سے کسی کی عبادت نہ کرو۔ ﴿إِلَّا إِيَّاهُ﴾ ”مگر صرف اس کی“ کیونکہ وہ واحد اور یکتا، فرد اور بے نیاز ہے۔ جو ہر صفت کمال کا مالک ہے۔ اس کی ہر صفت کامل ترین ہے اور مخلوق میں کوئی ہستی اس کی کسی صفت میں کسی بھی پہلو سے مشابہت نہیں کر سکتی وہ منعم ہے ظاہری اور باطنی نعمتوں سے وہی



نوازتا ہے وہی تمام تکالیف کو دور کرتا ہے، وہ خالق رازق اور تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے۔ وہ ان تمام اوصاف میں منفرد اور یکتا ہے اس کے سوا کوئی دوسری ہستی اوصاف میں سے کسی چیز کی بھی مالک نہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے بعد والدین کے حقوق کو قائم کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ ”اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔“ یعنی قول و فعل، ہر لحاظ سے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ کیونکہ والدین ہی بندے کے وجود میں آنے کا سبب ہیں، وہ اولاد کے لئے محبت رکھتے ہیں، اولاد کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں اور اولاد کو قریب رکھتے ہیں، یہ امور ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے کے حق کی تاکید اور ان کے ساتھ بھلائی کے وجوب کا تقاضا کرتے ہیں۔

﴿إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا﴾ ”اگر پہنچ جائے تیرے سامنے بڑھاپے کو، ان میں سے ایک یا دونوں“ یعنی جب وہ اس عمر کو پہنچ جائیں جس میں ان کے قوی کمزور پڑ جاتے ہیں اور وہ نرمی اور حسن سلوک کے معروف طریقے سے محتاج ہوتے ہیں۔ ﴿فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آيٌ﴾ ”تو تو ان کو ہوں بھی نہ کہہ“ یہ اذیت کا ادنیٰ مرتبہ ہے اس کے ذریعے سے اذیت کی دیگر انواع پر تنبیہ کی ہے۔ معنی یہ ہے کہ ان کو ادنیٰ اذیت بھی نہ پہنچاؤ۔ ﴿وَلَا تَنْهَرْهُمَا﴾ ”اور نہ ان کو جھڑکو“ اور نہ ان سے سخت کلامی کرو۔ ﴿وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾ ”اور کہہ ان سے بات ادب کی“ ان کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرو جن کو وہ پسند کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ نہایت ادب اور مہربانی سے پیش آؤ۔ انتہائی نرمی اور اچھے پیرائے میں بات کرو جس سے ان کے دل لذت محسوس کریں اور ان کو اطمینان حاصل ہو۔ یہ حسن سلوک احوال و عادات اور زمانے کے اختلاف کے مطابق مختلف ہوتا ہے ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذِّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ ”اور جھکا دے ان کے آگے کندھے عاجزی کے، نیاز مندی سے“ یعنی ان کے سامنے تواضع، انکساری اور شفقت کا اظہار کرتے ہوئے جھک کر رہو۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید پر ہونہ کہ ان سے ڈر کی بنا پر یا ان کے مال وغیرہ کے لالچ کی وجہ سے یا اس قسم کے دیگر مقاصد کی بنا پر جن پر بندے کو اجر نہیں ملتا۔ ﴿وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا﴾ ”اور کہہ اے رب ان پر رحم فرما“ یعنی ان کی زندگی میں اور ان کے وفات پا جانے کے بعد ان کے لئے رحمت کی دعا کرو۔ انہوں نے بچپن میں تمہاری جو تربیت کی ہے یہ اس کا بدلہ ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تربیت جتنی زیادہ ہوگی والدین کا حق بھی اتنا ہی زیادہ ہو جائے گا۔ اسی طرح والدین کے سوا کوئی شخص دینی اور دنیاوی امور میں کسی کی نیک تربیت کرتا ہے تو تربیت کرنے والے شخص کا اس شخص پر حق ہے جس کی اس نے تربیت کی ہے۔

رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۖ إِنَّ تَكُونُوا صٰلِحِينَ فَإِنَّهُ

تمہارا رب خوب جانتا ہے اے جو تمہارے دلوں میں ہے، اگر ہو گے تم صالح، تو بلاشبہ وہ

## كَانَ لِلَّهِ أَيْبُنَ غَفُورًا ۲۵

ہے (اپنی طرف) رجوع کرنے والوں کے لیے بہت بخشنے والا ○

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ تمہارے اچھے اور برے چھپے ہوئے بھیدوں کو جانتا ہے۔ وہ تمہارے اعمال اور ابدان کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور ان کے اندر چھپے ہوئے خیر و شر پر نظر رکھتا ہے۔ ﴿إِنْ تَكُونُوا صَالِحِينَ﴾ ”اگر تم نیک ہو گے“ یعنی اگر تمہارے ارادے اور مقاصد اللہ تعالیٰ کی رضا کے دائرے میں اور تمہاری رغبت صرف انہی امور پر مرکوز رہے جو اللہ کے تقرب کا ذریعہ ہیں اور تمہارے دلوں میں غیر اللہ کے ارادے براجمان نہ ہوں۔ ﴿قَالَهُ كَانَ لِلَّهِ أَيْبُنَ﴾ ”تو وہ رجوع کرنے والوں کو“ یعنی وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کے لئے ﴿غَفُورًا﴾ ”بخشنے والا ہے۔“ پس اللہ تعالیٰ جس کے دل میں جھانکتا ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ اس دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف اتنا بت اس کی محبت اور ان امور کی محبت جو قرب الہی کا ذریعہ ہیں کے سوا کچھ بھی نہیں تب اگر اس بندے سے طبائع بشری کے تقاضے کے مطابق کوئی گناہ سرزد ہو بھی جائے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان عارضی گناہوں کو بخش دیتا ہے جو مستقل طور پر جڑ نہیں پکڑتے۔

وَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْيَسِيرَ وَالْبُنَّ السَّبِيلَ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۲۶ إِنَّ

اور دے تو قربات دار کو اس کا حق، اور مسکین اور مسافر کو بھی اور نہ فضول خرچی کر فضول خرچی کرنا ○ یقیناً

الْمُبْذِرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ ط وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۲۷ وَإِنَّمَا تَعْرِضَنَ

فضول خرچی کرنے والے ہیں بھائی شیطانوں کے، اور ہے شیطان اپنے رب کا نہایت ناشکرا ○ اور اگر اعراض کرے تو

عَنْهُمْ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ۲۸ وَلَا تَجْعَلْ

ان سے، انتظار میں رحمت کے اپنے رب کی کہ امید رکھتا ہے تو اس کی، تو کہہ تو واسطے ان کے بات آسان نرم ○ اور نہ کر تو

يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسِطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۲۹

اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ، اور نہ کھول دے اسے بالکل کھول دینا، کہ بیٹھ رہے تو ملامت کیا ہوا، تھکا ماندہ ○

إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ط إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۳۰

بیشک آپ کا رب ہی فراخ کرتا ہے رزق جس کیلئے وہ چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے بلاشبہ وہ ہے اپنے بندوں کی خوب خبر رکھنے والا، (انکو) دیکھنے والا ○

﴿وَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ﴾ ”اور دے رشتے دار کو اس کا حق“ یعنی رشتہ دار کو واجب و مسنون حسن سلوک اور

اکرام و تکریم میں سے اس کا حق ادا کرو اور یہ حق احوال، زمان و مکان، ضرورت اور عدم ضرورت اور اقارب میں

تفاوت کے مطابق متفاوت ہوتا ہے۔ ﴿وَالْيَسِيرَ﴾ ”اور مسکین کو“ یعنی زکوٰۃ وغیرہ میں سے مسکین کو اس کا حق

ادا کرو تا کہ اس کی مسکینی دور ہو جائے۔ ﴿وَالْبُنَّ السَّبِيلَ﴾ ”اور مسافر کو“ اس سے مراد وہ غریب الوطن شخص ہے



جو اپنے شہر سے دور پھنس کر رہ گیا ہو۔ ﴿وَلَا تُبْذِرْ تَبْذِيرًا﴾ ”اور بے جا مت اڑا“ پس مال اس طریقے سے عطا کیا جائے کہ عطا کرنے والے کو نقصان پہنچے نہ اس مقدار سے زائد ہو جو دی جانی چاہیے ورنہ یہ اسراف و تبذیر کے زمرے میں آئے گا اور اس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اور بتلایا ہے کہ ﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ﴾ ”بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں“ کیونکہ شیطان ہمیشہ ہر قسم کی مذموم خصلت ہی کی طرف دعوت دیتا ہے وہ انسان کو بخل اور مال روک رکھنے کی طرف دعوت دیتا ہے اگر انسان اس کی بات نہ مانے تو وہ اسے اسراف اور تبذیر کی راہ پر لے آتا ہے اور اللہ تعالیٰ معتدل اور مبنی بر عدل رویے کا حکم دیتا ہے اور اس کی مدح کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا﴾ (الفرقان: ۶۷/۲۵) ”رحمن کے بندے وہ ہیں جو خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں۔“ اور یہاں فرمایا: ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ﴾ ”اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ“ یہ بخل اور خرچ نہ کرنے کے لئے کنایہ ہے۔ ﴿وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسِطِ﴾ ”اور نہ کھول اسے بالکل کھول دینا“ ایسا نہ ہو کہ تم ان معاملات میں خرچ کرنے لگو جہاں خرچ کرنا مناسب نہیں یا جتنا خرچ کرنا ہو اس سے زیادہ خرچ کرنے لگو۔ ﴿فَتَقَعَلَ﴾ ”پس تو بیٹھ رہے گا“ اگر تو نے یہ کام کیا ﴿مَلُومًا﴾ ”الزام کھایا ہوا“ یعنی اپنے کئے پر ملامت زدہ ہو کر ﴿مَحْسُورًا﴾ ”ہارا ہوا“ یعنی تم خالی ہاتھ ہو کر رہ جاؤ گے تمہارے ہاتھ میں مال باقی بچے گا نہ اس کے پیچھے مدح و ثناء..... اور رشتہ داروں کو عطا کرنے کا یہ حکم صرف قدرت اور غنا کی صورت میں ہے۔ رہی تنگدستی اور اخراجات میں عدم گنجائش تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان کو نہایت اچھے طریقے سے جواب دیا جائے پس فرمایا: ﴿وَأَمَّا تَعْرِضْنَ عَنْهُمْ أَبْتَغَاءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَبِّكَ تَرْجُوهَا﴾ ”اگر تو اعراض کرے ان سے اپنے رب کی مہربانی کے انتظار میں جس کی تجھ کو امید ہے“ یعنی اگر تم ان کو عطا نہیں کرتے اور تم اس کو کسی ایسے وقت کے لئے اٹھا رکھتے ہو جب اللہ تمہیں خوشحالی عطا کرے۔ ﴿فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا﴾ ”تو کہہ ان کو نرم بات“ یعنی ان سے نرم لہجے میں بات کرو اور اچھا وعدہ کہ جب بھی گنجائش ہوئی تو ان کو عطا کیا جائے گا اور اس وقت عطا کرنا ممکن نہ ہونے پر ان سے معذرت کرے تاکہ جب وہ تمہارے پاس سے واپس جائیں تو ان کے دل مطمئن ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتَّبِعُهَا أَذًى﴾ (البقرة: ۲۶۳/۲) ”صدقہ دینے کے بعد ایذا پہنچانے سے تو یہ بہتر ہے کہ نرم بات کہہ دی جائے اور کسی ناگوار بات پر چشم پوشی کی جائے۔“ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر لطف و کرم ہے کہ اس نے ان کو رحمت اور رزق کا انتظار کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ انتظار عبادت ہے۔ اسی طرح ضرورت مندوں کے ساتھ گنجائش اور فراخ دستی کے وقت عطا کرنے کا وعدہ کرنا بھی عبادت ہے کیونکہ نیک کام کا ارادہ بھی نیکی ہے۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ مقدور بھرنیکی کرتا رہے

اور جس نیک کام پر اسے قدرت نہیں اسے کرنے کی نیت رکھے تاکہ اسے ثواب ملتا رہے اور شاید اللہ تعالیٰ اس کی امید کے سبب سے اس کے لئے آسانی پیدا کر دے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ ”بے شک آپ کا رب جس کے لئے چاہتا ہے روزی کشادہ کر دیتا ہے“ ﴿وَيَقْدِرُ﴾ اور جس کے لئے چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے۔ یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے۔ ﴿إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا﴾ ”وہ اپنے بندوں کو خوب جاننے والا دیکھنے والا ہے۔“ پس جو اس کے علم کے مطابق ان کے لئے درست ہے اس پر انہیں جزا دے گا اور اپنے لطف و کرم سے ان کی تدبیر کرے گا۔

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ

اور مت قتل کرو تم اپنی اولاد کو ڈرتے ہوئے مفلسی سے، ہم ہی رزق دیتے ہیں انہیں اور تمہیں بھی،

إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيراً ۝۳۱

بلاشبہ انکو قتل کرنا بے گناہ بہت بڑا ○

یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے پر بے پایاں رحمت ہے۔ وہ اپنے بندوں پر ان کے ماں باپ سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے والدین کو بھوک اور فقر کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل کرنے سے منع کیا اور سب کی کفالت کا ذمہ لیا ہے اور آگاہ فرمایا ہے کہ اولاد کو قتل کرنا بہت بڑی خطا اور کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے اور اس کا سبب دل کا شفقت سے خالی ہونا اور بچوں کے قتل کی جسارت ہے جن سے کوئی گناہ اور معصیت سرزد نہیں ہوتی۔

وَلَا تَقْرُبُوا الزَّوَاجَ إِنْهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ۝۳۲

اور مت قریب جاؤ تم زنا کے، یقیناً وہ بے حیائی اور برا راستہ ○

زنا کے قریب جانے کی ممانعت زنا کے مجر و فعل کی ممانعت سے زیادہ بلیغ ہے اس لیے زنا کے قریب جانے کی ممانعت زنا کے تمام مقدمات اور اس کے اسباب کو شامل ہے کیونکہ اگر کوئی بادشاہ کی مخصوص چراگاہ کے آس پاس پھرتا ہے تو ہو سکتا ہے وہ چراگاہ میں جا داخل ہو۔ خاص طور پر جب کہ بات یہ ہے کہ اکثر نفوس کے اندر زنا کا قوی ترین داعیہ ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے زنا کی برائیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿كَانَ فَاحِشَةً﴾ ”وہ بے حیائی“ یعنی زنا عقل شریعت اور فطرت انسانی کے نزدیک بہت بڑی برائی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ عورت اس کے گھر والوں اور اس کے شوہر کے حق میں ہتک حرمت شوہر کے بستر کو خراب کرنے اور انساب وغیرہ کے اختلاط اور دیگر مفسد کو متضمن ہے۔ ﴿وَسَاءَ سَبِيلًا﴾ ”اور بری راہ ہے۔“ یعنی جو کوئی اس گناہ عظیم کے ارتکاب کی جرأت کرتا ہے



اس کا یہ راستہ بہت ہی برا راستہ ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ط وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ  
اور مت قتل کرو تم اس جان کو وہ جسے حرام کیا ہے اللہ نے، مگر ساتھ حق کے اور جو کوئی قتل کیا جائے مظلوم تو تحقیق  
جَعَلْنَا لَوْلِيَّهِ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا ﴿۳۰﴾

کر دیا ہے ہم نے اس کے وارث کے لیے غلبہ، پس نہ زیادتی کرے وہ قتل میں، بے شک وہ (وارث) ہے مدد دیا ہوا O

اس آیت کریمہ کا حکم ہر اس جان کو شامل ہے جس کے قتل کو ﴿حَرَّمَ اللَّهُ﴾ ”اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے“ وہ خواہ  
چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام اور مسلم ہو یا کافر معاہدہ ﴿إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ ”سوائے اس (قتل) کے جو  
برحق ہو“ مثلاً مقتول کے قصاص میں قاتل کو قتل کرنا، شادی شدہ زانی کو قتل کرنا، مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ  
ہونے والے مرتد کو قتل کرنا اور باغی کو بغاوت کی حالت میں قتل کرنا جبکہ اس کو قتل کئے بغیر بغاوت پر قابو نہ پایا جا  
سکتا ہو۔ ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا﴾ ”اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے“، یعنی جسے ناحق قتل کیا گیا ہو ﴿فَقَدْ جَعَلْنَا  
لَوْلِيَّهِ﴾ ”تو کی ہم نے اس کے ولی کے لئے“ یہاں ”ولی“ سے مراد وہ شخص ہے جو مقتول کے ورثاء اور عصبہ  
میں سے اس کے سب سے زیادہ قریب ہو۔ ﴿سُلْطٰنًا﴾ ”دلیل“، یعنی ہم نے مقتول کے ولی کے لئے قاتل سے  
قصاص لینے کی ظاہری دلیل فراہم کر دی، نیز اسے قدری طور پر بھی قاتل پر اختیار عطا کر دیا ہے مگر یہ اس وقت ہے  
جب قصاص کی موجب تمام شرائط یکجا ہوں، مثلاً ارادہ اور تعدی کے ساتھ قتل کرنا اور مقتول اور قاتل میں برابری  
وغیرہ۔ ﴿فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ﴾ ”پس وہ قتل (کے قصاص) میں زیادتی نہ کرے“، یعنی ولی قاتل کے قتل  
میں اسراف سے کام نہ لے۔ یہاں ”اسراف“ سے مراد یہ ہے کہ مقتول کا ولی قاتل کو قتل کرنے میں حد سے تجاوز  
کرے۔ (اس اسراف کی تین صورتیں ہیں۔)

(۱) ولی قاتل کا مثلہ کرے۔ (یعنی اسے ایذا دے دے کر مارے، ناک کاٹے، کان کاٹے وغیرہ وغیرہ۔)

(۲) ولی قاتل کو کسی ایسی چیز کے ذریعے سے قتل کرے جس کے ذریعے سے مقتول کو قتل نہ کیا گیا ہو۔

(۳) قاتل کو چھوڑ کر کسی اور کو قتل کر دیا جائے۔

اس آیت کریمہ میں دلیل ہے کہ صرف ولی کو قصاص لینے کا حق ہے اور ولی کی اجازت کے بغیر قصاص نہیں لیا  
جاسکتا۔ اگر ولی قاتل کو معاف کر دے تو قصاص ساقط ہو جاتا ہے، نیز اس میں اس امر کی بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ  
قاتل اور اس کے مددگاروں کے مقابلے میں مقتول کے ولی کی مدد کرتا ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ط

اور مت قریب جاؤ تم مال یتیم کے، مگر ساتھ اس طریقے کے کہ وہ بہت ہی اچھا ہو، یہاں تک کہ پہنچ جائے یتیم اپنی جوانی کو،

## وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۝۳۶

اور پورا کرو تم عہد کو، بلاشبہ عہد، ہوگی باز پرس (اس کی بابت) ○

یہ اللہ تعالیٰ کا اس یتیم پر اپنی رحمت اور لطف کرم کا اظہار ہے۔ جس کا باپ اس کی چھوٹی عمر میں فوت ہو جائے اور وہ ابھی اپنے مفادات کی معرفت رکھتا ہو نہ ان کا انتظام کر سکتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یتیم کے سرپرستوں کو حکم دیا ہے کہ وہ یتیم اور اس کے مال کی حفاظت کریں اور اس کے مال کی اصلاح کریں اور یہ کہ اس کے قریب بھی نہ جائیں ﴿إِلَّا بِالتَّيِّبِ هِيَ أَحْسَنُ﴾ ”مگر ایسے طریقے سے جو بہتر ہو“، یعنی تم اس کے مال کو تجارت میں لگاؤ اس کو اتلاف کے خطرے میں نہ ڈالو اور اس میں اضافے اور نشوونما کی خواہش رکھو اور یہ صورت حال اس وقت تک رہے یہاں تک کہ ﴿يَبْلُغَ أَشُدَّهُ﴾ ”وہ (یتیم) جوانی کو پہنچ جائے“، یعنی بلوغت اور عقل و رشد کی عمر کو پہنچ جائے۔ پس جب وہ بالغ و عاقل ہو جائے تو اس سے سرپرستی زائل ہو جائے گی اور وہ اپنے معاملات کا خود سرپرست بن جائے گا اور اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَإِنْ أَسْتُمْرَ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ﴾ (النساء: ۶/۴) ”پس اگر تم ان میں عقل کی پختگی پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔“ ﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ﴾ ”اور عہد کو پورا کرو“ جو تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ باندھا ہے نیز اس عہد کو پورا کرو جو تم نے مخلوق کے ساتھ کیا ہے۔ ﴿إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾ ”عہد کے بارے میں ضرور باز پرس ہوگی۔“ یعنی ایضاً عہد کے بارے میں تم سے سوال کیا جائے گا اگر تم نے عہد پورا کیا تو تمہارے لئے بہت بڑا ثواب ہے اور اگر تم نے عہد کو پورا نہ کیا تو تم پر بہت بڑا گناہ ہے۔

## وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ

اور پورا کرو تم ماپ کو جب ماپو تم، اور تو لو تم ساتھ ترازو سیدھی کے، یہ بہت ہی بہتر ہے

## وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝۳۷

اور بہت اچھا ہے باعتبار انجام کے ○

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عدل اور ناپ تول کو بغیر کسی کمی کے انصاف کے ساتھ پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ آیت کے عمومی معنی سے دھوکہ دہی اندازے سے قیمت لگانے کسی چیز کی قیمت طے ہونے کے بعد کسی دوسرے شخص کی طرف سے قیمت لگانے کی ممانعت اور معاملات میں خیر خواہی اور صداقت مستحب ہوتی ہے۔ ﴿ذَٰلِكَ خَيْرٌ﴾ ”یہ بہتر ہے“ اس کے نہ ہونے سے ﴿وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ ”اور اس کا انجام اچھا ہے“، یعنی یہ عدل انجام کے اعتبار سے بہتر ہے بندہ تاوان اور نقصان سے محفوظ رہتا ہے اور عدل و انصاف اور ناپ تول پورا کرنے سے برکت نازل ہوتی ہے۔



وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ

اور نہ پیچھا کریں آپ اس چیز کا کہ نہیں ہے آپ کو اس چیز کا کوئی علم، بلاشبہ کان اور آنکھ اور دل،

كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴿۳۸﴾

ہر ایک (کی بابت) ان میں سے، ہوگی اس سے باز پرس ○

یعنی اس چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہیں بلکہ تم جو کچھ کہتے یا کرتے ہو اس کے بارے میں پوری تحقیق کر لیا کرو اور یہ خیال نہ کرو کہ تمہارا قول و فعل یوں ہی ختم ہو جائے گا، تمہیں اس کا کوئی فائدہ یا نقصان نہیں ہوگا۔ ﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ ”بے شک کان، آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پوچھ ہوگی، پس جو بندہ یہ جانتا ہے کہ اس سے اس کے قول و فعل کے بارے میں پوچھا جائے گا اور اس بارے میں اسے جواب دہی کرنی ہوگی کہ اس نے اپنے ان اعضاء کو کہاں کہاں استعمال کیا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے..... اس پر لازم ہے کہ وہ اس سوال کا جواب تیار کر لے۔ ان امور کا جواب اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ اس نے ان اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی عبودیت میں استعمال نہ کیا ہو دین کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص نہ کیا ہو اور ان باتوں سے باز نہ رہا ہو جن کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے۔

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ

اور مت چل تو زمین میں اتراتے ہوئے، بلاشبہ تو ہرگز نہیں پھاڑ سکے گا زمین کو اور ہرگز نہیں پہنچ سکے گا تو پہاڑوں کو

طُولًا ﴿۳۹﴾ كُلُّ ذَلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ﴿۴۰﴾ ذَلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ

لمبائی میں ○ تمام یہ (مذکورہ کام) ہے برائی ان کی نزدیک آپ کے رب کے ناپسند ○ یہ اس میں سے ہے جو وحی کی ہے

إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ

آپ کی طرف آپ کے رب نے حکمت سے، اور نہ ٹھہراؤ ساتھ اللہ کے معبود دوسرا، پس ڈال دیئے جاؤ گے

فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَّدْحُورًا ﴿۴۱﴾

جہنم میں ملامت زدہ، دھتکارے ہوئے ○

﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا﴾ ”اور زمین میں اتراتا ہوا مت چل، یعنی تکبر، غرور، اترابٹ، حق کے

سامنے استکبار اور تکبر کے ساتھ مخلوق سے اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے زمین پر مت چلو۔ ﴿إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ

الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا﴾ ”بے شک تو پھاڑ نہ ڈالے گا زمین کو اور نہ پہنچے گا پہاڑوں کو لمبا ہو

کر“ بلکہ اس کے برعکس تو اللہ تعالیٰ کے سامنے بہت حقیر ہوگا اور مخلوق کے نزدیک بہت ذلیل ناپسندیدہ اور مذموم

ہوگا۔ بلاشبہ جن چیزوں کا تو نے قصد کیا ہے ان میں بغیر سوچے سمجھے تو نے بدترین اور ذلیل ترین اخلاق کا اکتساب

کیا ہے۔ ﴿كُلُّ ذٰلِكَ﴾ مذکورہ تمام امور جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے جن کا ذکر گزشتہ سطور میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ﴾ میں گزر چکا ہے نیز والدین کی نافرمانی وغیرہ۔ ﴿كَانَ سَيِّئَةً عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا﴾ ”اس کی برائی آپ کے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہے“ یعنی ان میں سے ہر برائی کا ارتکاب کرنے والوں کے ساتھ یہ برائی برا سلوک کرے گی اور ان کو نقصان پہنچائے گی اور اللہ تعالیٰ اس برائی کو ناپسند کرتا اور اس کا انکار کرتا ہے۔

﴿ذٰلِكَ﴾ ”یہ ہے“ یعنی یہ احکام جلیلہ جن کو ہم نے واضح کر کے بیان کر دیا ہے ﴿مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ﴾ ”ان باتوں میں سے ہیں جو وحی بھیجی آپ کے رب نے آپ کی طرف حکمت کے کاموں سے“ اور حکمت محاسن اعمال، مکارم اخلاق کے حکم اور اخلاق رذیلہ اور اعمال قبیحہ سے ممانعت کا نام ہے اور یہ اعمال جو ان آیات کریمہ میں مذکور ہیں، حکمت عالیہ سے تعلق رکھتے ہیں جس کو رب کائنات نے، افضل ترین کتاب، قرآن کریم میں سید المرسلین ﷺ کی طرف وحی کیا تا کہ آپ بہترین امت کو اس پر عمل کرنے کا حکم دیں اور جسے یہ حکمت عطا کر دی گئی اسے خیر کثیر عطا کر دی گئی۔ پھر آیت کریمہ کو غیر اللہ کی عبادت کی ممانعت پر ختم کیا جیسا کہ غیر اللہ کی عبادت کی ممانعت سے اس کی ابتدا کی تھی۔ فرمایا: ﴿وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ﴾ ”اور نہ ٹھہر اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود پھر پڑے گا تو جہنم میں“ یعنی ابدالاً بادتک جہنم میں رہے گا۔ کیونکہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے ﴿مَلُومًا مَّدْحُورًا﴾ ”لامت زدہ دھتکارا ہوا“ یعنی تیرے لئے ملامت اور لعنت ہوگی اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی طرف سے۔

أَفَاصْفُكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا

کیا جن لیا ہے تمہیں تمہارے رب نے ساتھ بیٹوں کے، اور بنالیا (خود) فرشتوں کو بیٹیاں؟

إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا ۝۳۰

بلاشبہ تم البتہ کہتے ہو بات بہت بڑی (خطرناک) ○

یہ اس شخص پر نہایت شدت سے نکیر ہے جس کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بعض ہستیوں کو اپنی بیٹیاں بنالیا ہے بنا بریں فرمایا: ﴿أَفَاصْفُكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِينَ﴾ ”کیا تمہارے رب نے تم کو لڑکے دیے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے جن کو تمہارے لئے کامل ترین حصہ مقرر کر دیا اور خود فرشتوں کو اپنی بیٹیاں بنالیا۔۔۔۔۔ کیونکہ مشرکین کا یہ خیال تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ ﴿إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا﴾ ”بے شک تم کہتے ہو بھاری بات۔“ تمہارا یہ قول اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت بڑی جسارت ہے کیونکہ تم نے اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد منسوب



کردی۔ تمہارا قول اس بات کو متضمن ہے کہ اللہ تعالیٰ محتاج ہے اور اس کی کچھ مخلوق اس سے بے نیاز ہے اور تم نے اللہ تعالیٰ کے حق میں اولاد کی دونوں قسموں میں سے زیادہ ردی قسم کا فیصلہ کیا یعنی تم نے اس کی طرف بیٹیوں کو منسوب کر دیا حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں بیٹے عطا کئے۔ پس بہت بلند ہے اللہ تعالیٰ اس بات سے جو یہ ظالم کہتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا ﴿٣١﴾ قُلْ لَوْ كَانَ

اور البتہ تحقیق پھر پھر کر بیان کیا ہم نے اس قرآن میں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور نہیں زیادہ کرتا یا مگر نفرت ہی میں ○ کہہ دیجئے مگر ہوتے

مَعَ إِلَهَةٍ كَمَا يَقُولُونَ إِذَا لَابَتَّغُوا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا ﴿٣٢﴾ سُبْحَنَهُ

اللہ کے ساتھ اور معبود جیسا کہ کہتے ہیں وہ (شرک) تو اس وقت البتہ تلاش کرتے وہ (معبود) طرف عرش والے (اللہ) کے کوئی راستہ ○ پاک ہے وہ

وَتَعْلَىٰ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا ﴿٣٣﴾ تَسْبِيحٌ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ

اور برتر ہے ان سے جو وہ (شرک) کہتے ہیں، برتر بہت زیادہ ○ پاکیزگی بیان کرتے ہیں اسکی ساتوں آسمان اور زمین بھی،

وَمَنْ فِيهِنَّ طَوَائِفٌ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِن لَّا تَفْقَهُونَ

اور جو (مخلوق) ان میں ہے، اور نہیں ہے کوئی چیز مگر وہ تسبیح بیان کرتی ہے ساتھ اس کی حمد کے، لیکن نہیں سمجھتے تم

تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿٣٤﴾

تسبیح ان کی، بلاشبہ وہ ہے نہایت حوصلے والا، بہت بخشنے والا ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے قرآن مجید میں اپنے بندوں کے لئے مختلف انواع کے احکام واضح کر کے بیان کئے ہیں اور اپنی دعوت کی حقانیت پر بہت سے دلائل اور براہین بیان کئے ہیں اور انہیں وعظ و نصیحت کی ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں جس سے انہیں فائدہ ہو اور اسے اپنا لائحہ عمل بنائیں اور جس سے نقصان ہو اسے چھوڑ دیں۔ مگر اکثر لوگ باطل سے محبت اور حق کے خلاف بغض رکھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی آیات سے بدک کر دور بھاگتے ہیں حتیٰ کہ وہ باطل کے لئے تعصب میں مبتلا ہو گئے۔ انہوں نے آیات الہی کو سنا نہ ان کی کوئی پروا کی۔

جس موضوع پر اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ دلائل و براہین بیان کئے وہ توحید ہے جو تمام اصولوں کی اساس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے اور اس کی ضد سے روکا ہے اور اس پر بہت سے عقلی اور نقلی دلائل بیان کئے ہیں۔ جو کوئی ان میں سے کسی پر توجہ دیتا ہے تو اس کے قلب میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا۔ ان دلائل میں سے ایک عقلی دلیل یہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے یہاں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے ﴿قُلْ﴾ یعنی ان مشرکین سے کہہ دیجئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی معبود بنا لئے ہیں ﴿لَوْ كَانَ مَعَهُ إِلَهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ﴾ ”اگر اس کے

ساتھ کوئی اور معبود ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں“ یعنی ان کے زعم اور افتراء پر دازی کے مطابق ﴿إِذَا لَابَتَّغُوا إِلَىٰ

**ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا** ﴿﴾ ”تو نکالتے صاحب عرش کی طرف کوئی راستہ“ یعنی وہ عبادت، انابت، تقرب اور وسیلے کے ذریعے سے ضرور اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی راستہ تلاش کرتے۔ پس وہ شخص جو اپنے آپ کو اپنے رب کی عبودیت کا نہایت شدت سے محتاج سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری ہستیوں کو معبود کیسے قرار دے سکتا ہے؟ کیا یہ سب سے بڑا ظلم اور سب سے بڑی سفاہت نہیں ہے؟

اس معنی کے مطابق یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد جیسی ہے۔ ﴿**أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ**﴾ (بنی اسرائیل: ۵۷/۱۷) ”جن لوگوں کو یہ پکارتے ہیں وہ تو خود اللہ کے ہاں تقرب کے حصول کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ کون اس کے قریب تر ہے۔“ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مانند ہے۔ ﴿**وَيَوْمَ يَخْشَرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ ۖ أَأَنْتُمْ أَضَلُّنَا ۖ عِبَادِي هَؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ۚ قَالُوا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ**﴾ (الفرقان: ۱۷/۱۸) ”اور جس روز وہ ان لوگوں کو اکٹھا کرے گا اور ان کو بھی جن کی یہ اللہ چھوڑ کر پوجا کرتے ہیں پھر ان سے پوچھے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا؟ یا وہ خود گمراہ ہو گئے تھے؟ وہ جواب دیں گے تیری ذات پاک ہے ہمارے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ ہم تجھے چھوڑ کر کسی اور کو اپنا مولا بنائیں۔“

اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس آیت کے معنی یہ ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر غالب آنے کے لئے کوشش کرتے اور کوئی راستہ تلاش کرتے۔ پس یا تو وہ اس پر غالب آجاتے اور جو غالب آجاتا وہی رب اور الہ ہوتا لیکن جیسا کہ انہیں علم ہے اور وہ اقرار کرتے ہیں کہ ان کے خود ساختہ معبود جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، مقبور و مجبور اور مغلوب ہیں انہیں کسی چیز کا کوئی اختیار نہیں، ان کا یہ حال ہوتے ہوئے پھر ان کو انہوں نے معبود کیوں بنایا ہے؟ تب اس معنی کے مطابق یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مشابہ ہے۔ ﴿**مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَٰهٍ إِذَا لَذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ**﴾ (المؤمنون: ۹۱/۲۳) ”اللہ نے کوئی بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوق لے کر الگ ہو جاتا پھر تمام ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتے۔“ فرمایا: ﴿**سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی**﴾ ”وہ پاک اور بلند ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ مقدس اور منزہ ہے اس کے اوصاف عالیشان ہیں ﴿**عَمَّا يَقُولُونَ**﴾ ”ان سے جو وہ کہتے ہیں“ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے اور ان کے اس کا ہمسر بنالینے سے پاک ہے ﴿**عُلُوًّا كَبِيرًا**﴾ ”بہت بلند۔“ پس وہ عالی قدر اور عظیم الشان ہے اور اس کی کبریائی ظاہر ہے اس کی کبریائی برداشت نہیں کر سکتی کہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہو۔ جو کوئی اس بات کا قائل ہے وہ صاف گمراہ اور بہت بڑا ظالم ہے۔ اس کی عظمت کے سامنے بڑی بڑی مخلوقات نہایت عاجز اور اس کی کبریائی کے سامنے بہت حقیر ہیں۔ ساتوں آسمان اور جو کچھ ان کے اندر موجود ہے اور



ساتوں زمینیں اور جو کچھ ان کے اوپر ہے سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ﴿وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَالسَّمُوتُ مَطْوِيَّتٌ بِيَمِينِهِ﴾ (الزمر: ۶۷/۳۹) ”قیامت کے روز تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔“

تمام عالم علوی اور عالم سفلی اپنی ذات کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے اور یہ احتیاج کسی وقت بھی ان سے جدا نہیں ہوتی یہ فقر و احتیاج ہر لحاظ سے تخلیق رزق اور تدبیر کی احتیاج ہے نیز یہ اضطراری طور پر بھی فقر و احتیاج ہے کہ ان کا کوئی معبود و محبوب ہو جس کا وہ تقرب حاصل کریں اور ہر حال میں اس کی پناہ لیں۔ بنا بریں فرمایا ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمُوتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ﴾ ”اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے اور نہیں ہے کوئی چیز۔“ یعنی حیوان ناطق، حیوان غیر ناطق، درخت، نباتات، جمادات، زندہ اور مردہ ﴿إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ﴾ ”مگر تسبیح بیان کرتی ہے اس کی خوبیوں کے ساتھ“ اپنی زبان حال اور زبانِ مقال سے ﴿وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾ ”لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے“ یعنی تم باقی تمام مخلوقات کی تسبیح نہیں سمجھتے جن کی زبان تمہاری زبان سے مختلف ہے۔ مگر اللہ علام الغیوب ان سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ﴿إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا﴾ ”بے شک وہ بردبار اور بڑا بخشنے والا ہے“ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھی فوراً سزا نہیں دیتا جو اس کے بارے میں ایسی بات کہتا ہے کہ اس کی اس بات سے آسمان پھٹ جائیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں۔ مگر اللہ تعالیٰ انہیں مہلت دیتا ہے، انہیں نعمتوں سے نوازتا ہے، ان سے درگزر کرتا ہے، ان کو رزق عطا کرتا ہے اور ان کو اپنے دروازے پر بلاتا ہے تاکہ وہ اس گناہ عظیم سے توبہ کریں اور وہ ان کو ثواب جزیل عطا کرے اور ان کے گناہ بخش دے۔ اگر اس کا حلم اور مغفرت نہ ہوتی تو آسمان زمین پر گر پڑتے اور زمین کی پیٹھ پر ایک جاندار بھی زندہ نہ بچتا۔

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا

اور جب پڑھتے ہیں آپ قرآن تو بنادیتے ہیں ہم درمیان آپ کے اور درمیان ان لوگوں کے جو نہیں ایمان لاتے ساتھ آخرت کے ایک پردہ

مَسْتُورًا ۵۰ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِذَا ذُكِّرَتْ

چھپا ہوا اور بنادیتے ہم نے اوپر ان کے دلوں کے پردے (اس سے) کہ وہ سمجھیں اسکو اور ان کے کانوں میں ڈاٹ ہیں، اور جب ذکر کرتے ہیں آپ

رَبِّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَوْ عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ نُفُورًا ۶۱ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُونَ

اپنے رب کا قرآن میں تنہا ہی کا تو پھر جاتے ہیں وہ اوپر اپنی پیٹھوں کے نفرت سے ۵۰ ہم خوب جانتے ہیں اس (نیت) کو کہ سنتے ہیں وہ (قرآن کو)

بِهِ إِذْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوَىٰ إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا

ساتھ اس کے، جب کان لگاتے ہیں وہ آپ کی طرف، اور جب وہ سرگوشیاں کرتے ہیں (یعنی) جب کہتے ہیں ظالم لوگ، کہ نہیں پیروی کرتے تم مگر

رَجُلًا مَسْحُورًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝

آدمی سحر زدہ کی ○ دیکھئے! کس طرح بیان کرتے ہیں وہ آپ کے لیے مثالیں؟ پس گمراہ ہو گئے وہ، سو نہیں پاسکتے وہ راستہ ○  
اللہ تبارک و تعالیٰ حق کی تکذیب کرنے والوں کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے، جنہوں نے حق کو ٹھکرایا اور اس سے روگردانی کی کہ اللہ تعالیٰ ان کے اور ان کے ایمان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ﴾ اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں، جس کے اندر وعظ و تذکیر ہدایت و ایمان، بھلائی اور علم کثیر ہے۔ ﴿جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ جَبَابًا مَّسْثُورًا﴾ ”تو ہم کر دیتے ہیں آپ کے اور ان کے درمیان جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے، ایک چھپا ہوا پردہ۔“ جو انہیں اس کے حقیقی فہم، اس کے حقائق کے تحقق اور جس بھلائی کی طرف یہ دعوت دیتا ہے اس کی اطاعت سے محجوب (آڑ) کر دیتا ہے۔ ﴿وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً﴾ اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں، ان کے ہوتے ہوئے یہ اس قرآن کو سمجھنے سے عاری ہیں۔ البتہ یہ اسے اس طرح سنتے ہیں جس سے ان پر رجعت قائم ہو جاتی ہے۔ ﴿وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے، یعنی ان کے کان قرآن سننے سے بہرے ہیں۔ ﴿وَإِذَا ذُكِّرْتُمْ رَبِّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ﴾ ”اور جب آپ ذکر کرتے ہیں اپنے رب کا قرآن میں کہ وہ اکیلا ہے، یعنی تو حید کی طرف دعوت دیتے ہوئے اور شرک سے روکتے ہوئے ﴿وَلَوْ أَنَّ عَلَىٰ آدْبَارِهِمْ نُفُورًا﴾ ”تو بھاگ جاتے ہیں اپنی پیٹھ پر بدک کر“ قرآن سے نہایت سخت بغض رکھنے اور اپنے باطل موقف سے محبت کی وجہ سے منہ پھیر کر چلے جاتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَإِذَا ذُكِّرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِّرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ﴾ (الزمر: ۴۵/۳۹) ”جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل کراہت کی وجہ سے منتقبض ہو جاتے ہیں اور جب اللہ کے سوا خود ساختہ خداؤں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوشی سے کھل جاتے ہیں۔“

﴿نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُونَ بِهِ﴾ ”ہم خوب جانتے ہیں جس واسطے یہ سنتے ہیں“، یعنی ہم نے ان کو قرآن کے استماع کے وقت اس سے فائدہ اٹھانے سے روک دیا ہے کیونکہ ہم ان کے برے ارادوں کا علم رکھتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ کوئی چھوٹی سی بات ہی ہاتھ آئے تاکہ اس کے ذریعے سے اس میں عیب جوئی کریں۔ ان کا قرآن سننا طلب ہدایت اور قبول حق کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس وہ تو اس کی عدم اطاعت کا تہیہ کئے ہوئے ہیں اور جن کا یہ حال ہو تو استماع قرآن ان کو کوئی فائدہ نہیں دیتا، اس لئے فرمایا: ﴿إِذْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوَى﴾ ”جب وہ کان لگاتے ہیں آپ کی طرف اور جب وہ مشاورت کرتے ہیں“، یعنی جب وہ ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشی کرتے ہیں۔ ﴿إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ﴾ ”جب کہ ظالم کہتے ہیں“ اپنی سرگوشیوں میں: ﴿إِنْ تَنْبَغُونَ



﴿إِلَّا رَجُلًا فَسْخُورًا﴾ ”جس کی تم پیروی کرتے ہو، وہ تو ایک سحر زدہ آدمی ہے۔“ پس جب ان کی باہمی سرگوشی اس طرح کی بے انصافی پر مبنی ہوتی تھی جس کی بنیاد اس امر پر تھی کہ یہ شخص جادو زدہ ہے تو اس لیے وہ اس کے قول کا اعتبار نہیں کرتے اور سمجھتے تھے کہ یہ شخص نامعقول باتیں کرتا ہے اور اسے خود بھی معلوم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ ﴿أَنْظُرْ﴾ یعنی تعجب کے ساتھ ان کی طرف دیکھئے۔ ﴿كَيْفَ صَدَّبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ﴾ ”کیسے بیان کرتے ہیں وہ آپ کے لئے مثالیں“ جو کہ گمراہ ترین اور حق و صواب سے سب سے زیادہ ہٹی ہوئی مثالیں ہیں ﴿فَضْلُوا﴾ ”پس وہ گمراہ ہو گئے۔“ یعنی اس بارے میں وہ گمراہ ہو گئے یا یہ ضرب الامثال ان کی گمراہی کا سبب بن گئیں کیونکہ انہوں نے اپنے معاملات کی بنیاد ان مثالوں پر رکھی اور کسی فاسد چیز پر رکھی ہوئی بنیاد اس سے زیادہ فاسد ہوتی ہے۔ ﴿فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا﴾ ”پس وہ راہ نہیں پاسکتے،“ یعنی انہیں کسی طور بھی راستہ نہیں مل سکتا، اس لئے ان کے نصیب میں محض گمراہی اور صرف ظلم ہے۔

وَقَالُوا إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا ۖ إِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ﴿٢٩﴾ قُلْ

اور کہا انہوں نے، کیا جب ہم جو جائیں گے ہم ہڈیاں اور چوراچورا تو کیا بیشک ہم البتہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے پیدا کر کے نئے سرے سے؟ کہہ دیجئے!

كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ۖ أَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ ۖ فَسَيَقُولُونَ مَن

ہو جاؤ تم پتھر یا لوہا یا (کوئی اور) مخلوق اس میں سے جو بڑی معلوم ہو تمہارے سینوں (دلوں) میں پھر عنقریب کہیں گے وہ، کون

يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ

دوبارہ لوٹائے گا ہمیں؟ آپ کہہ دیں، وہی جس نے پیدا کیا تمہیں پہلی بار، پھر عنقریب وہ بلائیں گے آپ کی طرف اپنے سر اور وہ کہیں گے

مَتَىٰ هُوَ قُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَرِيبًا ﴿٣٠﴾ يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ

کب ہوگا وہ؟ کہہ دیجئے! شاید کہ ہو وہ قریب ہی ہے جس دن وہ (اللہ) بلائے گا تمہیں تو تم قلیل ارشاد کرو گے،

بِحُصَدِهِ وَتَظُنُّونَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ۖ

حد کرتے ہوئے اس کی، اور تم گمان کرو گے کہ نہیں ٹھہرے تم مگر تھوڑا (سا وقت) ○

اللہ تبارک و تعالیٰ زندگی بعد موت کا انکار کرنے والوں اس کو جھٹلانے والوں اور اس کو بعید سمجھنے والوں کا یہ قول نقل کرتا ہے۔ ﴿إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا﴾ ”کیا جب ہم ہو جائیں گے ہڈیاں اور چوراچورا“ یعنی جب ہم بوسیدہ ہو جائیں گے ﴿إِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا﴾ ”کیا پھر ہم اٹھیں گے نئے بن کر؟“ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا ان کے زعم کے مطابق یہ بہت محال ہے۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کی تکذیب کر کے اور اس کی آیات کو جھٹلا کر سخت جہالت کا ثبوت دیا ہے خالق کائنات کی قدرت کو اپنی کمزور اور عاجز قدرت پر قیاس کیا ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ایسا کرنا ان کے بس میں نہیں اور وہ اس پر قدرت نہیں رکھتے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت

کو بھی اسی پر قیاس کر لیا۔

پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوق میں سے کچھ لوگوں کو جہالت کی مثال بنایا ہے..... اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہت عقلمند ہیں، حالانکہ ان کی جہالت سب سے واضح، سب سے نمایاں دلائل و براہین کے اعتبار سے سب سے روشن اور سب سے بلند ہے..... تاکہ وہ اپنے بندوں کو دکھائے کہ یہاں سوائے اس کی توفیق اور اعانت یا ہلاکت اور ضلالت کے کچھ بھی نہیں۔ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (آل عمران: ۸۱۳) ”اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت بخش دینے کے بعد ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر ہمیں اپنی رحمت سے نواز، بے شک تو بہت نوازنے والا ہے۔“

بنابریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ وہ زندگی بعد موت کو بعید سمجھنے والوں سے کہہ دیں ﴿كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ۖ أَوْ خَلْقًا مِمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ﴾ ”تم ہو جاؤ پتھریا لو یا کوئی ایسی مخلوق جس کو تم مشکل سمجھو اپنے جی میں“ تاکہ تم اس طرح اپنے زعم کے مطابق اس بات سے محفوظ ہو جاؤ کہ تم قدرت الہی کی گرفت میں آؤ یا اس کی مشیت تمہاری بابت نافذ ہو۔ پس تم کسی بھی حالت میں اور کسی بھی وصف میں منتقل ہو کر اللہ تعالیٰ کو بے بس نہیں کر سکتے اور اس زندگی میں اور موت کے بعد تم اپنے بارے میں کسی تدبیر کا اختیار نہیں رکھتے اس لئے تدبیر اور تصرف اس ہستی کے لئے چھوڑ دو جو ہر چیز پر قادر اور ہر چیز پر محیط ہے۔

﴿فَسَيَقُولُونَ﴾ ”پس وہ کہیں گے“ یعنی جب آپ زندگی بعد موت کے بارے میں ان پر حجت قائم کرتے ہیں۔ ﴿مَنْ يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ”کون لوٹا کر لائے گا ہم کو؟ کہہ دیجئے! وہ جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔“ یعنی جب تم کوئی قابل ذکر چیز نہ تھے اس نے تمہیں پیدا کیا اسی طرح وہ تمہیں نئے سرے سے پیدا کرے گا۔ ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ﴾ (الانبیاء: ۱۰۴/۲۱) ”جس طرح ہم نے تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح ہم تخلیق کا اعادہ کریں گے۔“ ﴿فَسَيَنْغْضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ﴾ ”تو (تعجب سے) تمہارے آگے سر ہلائیں گے۔“ یعنی وہ آپ کی بات پر تعجب اور انکار سے سر ہلاتے ہیں ﴿وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ﴾ ”اور کہتے ہیں کہ یہ کب ہوگا؟“ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا وقت کب ہوگا جیسا کہ تم کہتے ہو۔ یہ ان کی طرف سے زندگی بعد موت کا اقرار نہیں بلکہ یہ ان کی سفاہت اور بزم خودی میں بے بس کرنا ہے۔ ﴿قُلْ عَلَيَّ أَنْ يَكُونَ قَرِينًا﴾ ”کہہ دیجئے! شاید یہ نزدیک ہی ہوگا“ اس لئے اس کے وقت کے تعین کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس کا فائدہ اور اس کا دار و مدار تو اس کے اقرار اس کی تحقیق اور اس کے اثبات میں ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح اسے ضرور آنا ہے اس اعتبار سے وہ قریب ہی ہے۔

﴿يَوْمَ يَدْعُوكُمْ﴾ ”جس دن وہ تم کو پکارے گا“ جب موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کے لئے اللہ



تعالیٰ تمہیں پکارے گا اور صور پھونکا جائے گا۔ ﴿فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ﴾ ”پس تم اس کی خوبی بیان کرتے ہوئے چلے آؤ گے“ یعنی تم اس کے حکم کی تعمیل کرو گے اور تم اس کی نافرمانی نہیں کر سکو گے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿بِحَمْدِهِ﴾ سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فعل پر قابل ستائش ہے۔ جب وہ اپنے بندوں کو قیامت کے روز اکٹھا کرے گا تو ان کو جزا دے گا۔ ﴿وَتُظَنُّونَ اِنْ لَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ ”اور تم خیال کرو گے کہ تم (دنیا میں) تھوڑا ہی عرصہ ٹھہرے ہو“ یعنی قیامت کے نہایت سرعت کے ساتھ واقع ہونے کی بنا پر اور جو نعمتیں تمہیں حاصل رہی ہیں۔ گویا کہ یہ سب کچھ واقع ہوا ہی نہیں۔ پس وہ لوگ جو قیامت کا انکار کرتے ہوئے کہتے تھے: ﴿مَتٰی هُوَ﴾ ”قیامت کا دن کب ہوگا؟“ وہ قیامت کے ورود کے وقت بہت نادم ہوں گے اور ان سے کہا جائے گا: ﴿هٰذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهٖ تَكْتُبُوْنَ﴾ (المطففين: ۱۷/۸۳) ”یہ وہی دن ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔“

وَقُلْ لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّذِي هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ بَيْنَهُمْ اِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۶﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ اِنْ يَشَأْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَشَأْ يُعَذِّبْكُمْ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۷﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

اور کہہ دیجئے! میرے بندوں سے کہو کہیں وہ بات کہ وہ بہت ہی اچھی ہو، بلاشبہ شیطان جھگڑاؤ لوٹاتا ہے انکے درمیان، بیشک شیطان، ہے واسطے انسان کے دشمن صریح ○ تمہارا رب خوب جانتا ہے تمہیں، اگر وہ چاہے تو رحم کرے تم پر یا اگر چاہے عذاب دے تمہیں اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان پر ذمے دار (بنائے) ○ اور آپ کا رب خوب جانتا ہے ان کو جو آسمانوں میں وَالْاَرْضِ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّنَ عَلَىٰ بَعْضٍ وَاتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ﴿۵۵﴾ اور زمین میں ہیں، اور البتہ تحقیق فضیلت دی ہم نے بعض نبیوں کو اوپر بعض کے، اور دی ہم نے داود کو زبور ○

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا اپنے بندوں پر لطف و کرم ہے کہ اس نے انہیں بہتر اخلاق، اعمال اور اقوال کا حکم دیا ہے جو دنیا و آخرت کی سعادت کے موجب ہیں چنانچہ فرمایا: ﴿وَقُلْ لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّذِي هِيَ اَحْسَنُ﴾ ”کہہ دو“ میرے بندوں سے بات وہی کہیں جو اچھی ہو۔“ یہ ہر اس کلام کے بارے میں حکم ہے جو اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ ہے مثلاً قراءت قرآن، ذکر الہی، حصول علم، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور لوگوں کے ساتھ ان کے حسب مراتب اور حسب منزلت شیریں کلامی وغیرہ۔ اگر دو اچھے امور درپیش ہوں اور ان دونوں میں جمع و تطبیق ممکن نہ ہو تو ان میں جو بہتر ہو اس کو ترجیح دی جائے اور اچھی بات ہمیشہ خلق جمیل اور عمل صالح کو دعوت دیتی ہے اس لیے جسے اپنی زبان پر اختیار ہے اس کے تمام معاملات اس کے اختیار میں ہیں۔ ﴿اِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ بَيْنَهُمْ﴾ ”بے شک شیطان ان کے درمیان جھڑپ کرواتا ہے“ یعنی شیطان بندوں کے دین و دنیا کو خراب کر کے ان کے درمیان فساد پھیلاتا چاہتا ہے اور اس فساد کی دوا یہ ہے کہ وہ بری باتوں میں شیطان کی پیروی نہ کریں جن کی طرف شیطان

دعوت دیتا رہتا ہے اور آپس میں نرم رویہ اختیار کریں تاکہ شیطان کی ریشہ دوانیوں کا قلع قمع ہو جو ان کے درمیان فساد کا بیج بوتا رہتا ہے اس لئے کہ شیطان ان کا حقیقی دشمن ہے اور ان پر لازم ہے کہ وہ شیطان کے خلاف مصروف جنگ رہیں۔ اس لیے کہ وہ تو انہیں دعوت دیتا رہتا ہے ﴿لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ (فاطر: ۶۱۳) ”تاکہ وہ جہنم والے بن جائیں۔“ اگرچہ شیطان ان کے درمیان فساد اور عداوت ڈالنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے لیکن اس بارے میں کامل حزم و احتیاط یہ ہے کہ اپنے دشمن شیطان کی مخالفت کی جائے، نفس امارہ کا قلع قمع کیا جائے جس کے راستے سے شیطان داخل ہوتا ہے اس طرح وہ اپنے رب کی اطاعت کر سکیں گے ان کا معاملہ درست رہے گا اور راہ ہدایت پالیں گے۔

﴿رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ﴾ ”تمہارا رب تمہارے بارے میں تم سے زیادہ جانتا ہے“ اس لئے تمہارے لئے وہی چاہتا ہے جس میں تمہاری بھلائی ہے اور تمہیں صرف اسی چیز کا حکم دیتا ہے جس میں تمہاری کوئی مصلحت ہے بسا اوقات تم ایک چیز کا ارادہ کرتے ہو مگر بھلائی اس کے برعکس کسی اور چیز میں ہوتی ہے۔ ﴿إِنْ يَشَأْ يُرْحَمَكُمُ أَوْ إِنْ يَشَأْ يُعَذِّبْكُمْ﴾ ”اگر وہ چاہے تو تم پر رحم کرے اور اگر چاہے تو تمہیں عذاب دے۔“ پس جسے چاہتا ہے اسباب رحمت کی توفیق عطا کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس کو اس کے حال پر چھوڑ کر اس سے الگ ہو جاتا ہے۔ پس وہ اسباب رحمت سے محروم ہو کر عذاب کا مستحق بن جاتا ہے۔ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا﴾ ”اور ہم نے آپ کو ان پر ذمے دار بنا کر نہیں بھیجا“ کہ آپ ان کے معاملات کی تدبیر کریں اور ان کو جزا دیں۔ وکیل اور کارساز تو صرف اللہ ہے اور آپ تو صرف صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرنے والے ہیں۔

﴿وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ ”اور آپ کا رب خوب جانتا ہے ان کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں“ یعنی وہ تمام مخلوق کو جانتا ہے۔ پس ان میں سے جو کوئی جس چیز کا مستحق ہے اور اس کی حکمت جس کا تقاضا کرتی ہے اسے وہی عطا کرتا ہے اور وہ تمام حسی اور معنوی خصائل میں ان کو ایک دوسرے پر فضیلت عطا کرتا ہے۔ جیسے اس نے بعض انبیاء علیہم السلام کو وحی میں ان کے اشتراک کے باوجود بعض فضائل اور خصائص میں جو محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے، بعض پر فضیلت دی ہے مثلاً اوصاف ممدوحہ، اخلاق جمیلہ، اعمال صالحہ، کثرت تبعین اور ان میں سے بعض پر کتابوں کا نزول جو عقائد اور احکام شریعت پر مشتمل ہیں جیسا کہ داؤد علیہ السلام پر زبور نازل فرمائی جو کہ ایک معروف آسمانی کتاب ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت عطا کی ہے اور ان میں سے بعض کو کتاب شریعت عطا کی تو پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے کفار اس کتاب اور نبوت کا کیوں انکار کرتے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی اور اس فضیلت کا کیوں انکار کرتے ہیں جو آپ کو عطا کی گئی۔



قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ﴿٥٦﴾

کہہ دیجئے! بلاؤ ان کو جنہیں (معبود) سمجھتے ہو تم سوائے اللہ کے، پس نہیں وہ اختیار رکھتے تکلیف ہٹانے کا تم سے، اور نہ (اسے) بدلنے کی کا۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ

یہ لوگ جنہیں وہ (مشرک) پکارتے ہیں، تلاش کرتے ہیں وہ اپنے رب کی طرف ذریعہ قرب کہ کونسا ان کا زیادہ قریب ہے (اللہ سے)؟

وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ﴿٥٧﴾

اور امید رکھتے ہیں وہ انکی رحمت کی، اور ڈرتے ہیں وہ اسکے عذاب سے، بلاشبہ عذاب آپکے رب کا (واقعی) ہے ڈرنے کی چیز۔

﴿قُلْ﴾ ”کہہ دیجیے۔“ یعنی مشرکین سے ان کے اعتقاد کی صحت پر دلیل طلب کرتے ہوئے کہہ دیجئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنا رکھے ہیں، جن کی یہ اسی طرح عبادت کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے، جن کو یہ اسی طرح پکارتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں..... کہ اگر وہ سچے ہیں تو ﴿ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ﴾ ”پکارو تم ان کو جن کو تم گمان کرتے ہو“ یعنی جن کے بارے میں تم اس زعم میں مبتلا ہو کہ وہ معبود ہیں ﴿مِّنْ دُونِهِ﴾ ”اللہ کو چھوڑ کر“ پس غور کرو کہ آیا وہ تمہیں کوئی نفع دے سکتے ہیں یا تمہیں کسی نقصان سے بچا سکتے ہیں۔ ﴿فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ﴾ ”سو وہ نہیں اختیار رکھتے تم سے تکلیف دور کرنے کا“، یعنی یہ خود ساختہ معبود، فقر اور سختی وغیرہ کو بالکل دور نہیں کر سکتے۔ ﴿وَلَا تَحْوِيلًا﴾ ”اور نہ بدلنے کا“ اور نہ یہ باطل معبود کسی سختی کو کسی ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہی کر سکتے ہیں۔ پس جب ان باطل معبودوں کے یہ اوصاف ہیں تو تم اللہ کے سوا انہیں کس لئے پکارتے ہو؟ یہ کسی کمال کے مالک ہیں نہ افعال نافعہ کے۔ تب ان بے بس اور بے اختیار ہستیوں کو معبود بنانا عقل و دین کی کمی اور رائے کی سفاہت ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ جب انسان سفاہت میں پڑے رہنے کی وجہ سے اس کا عادی ہو جاتا ہے اور اس کو اپنے گمراہ آباء و اجداد سے اخذ کرتا ہے تو اسی سفاہت کو انتہائی درست رائے اور عقل مندی سمجھنے لگتا ہے اور اس کے برعکس اللہ واحد کے لئے..... جو تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کرنے والا ہے..... اخلاص کو سفاہت خیال کرتا ہے۔ یہ کتنا تعجب خیز معاملہ ہے جیسا کہ مشرکین کا قول ہے: ﴿أَجْعَلِ الْاِلٰهَةَ الْهَآ وَاحِدًا اِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عَجَابٌ﴾ (ص: ۵۱۳۸) ”کیا اس نے بہت سے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا ہے یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔“

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ مشرکین اللہ کے سوا جن لوگوں کی عبادت کرتے ہیں وہ ان سے بے خبر ہیں، وہ خود اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور اس کی طرف وسیلہ کے متلاشی ہیں۔ فرمایا: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ﴾ ”وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں“، یعنی انبیاء و صالحین اور فرشتے ﴿يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ﴾ ”وہ ڈھونڈتے ہیں اپنے رب کی طرف وسیلہ کہ کون زیادہ نزدیک ہے“، یعنی اپنے رب کے قرب کے حصول کے

لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور مقدور بھرايے اعمال میں اپنی پوری کوشش صرف کرتے ہیں جو ان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والے ہیں ﴿وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ﴾ ”اور اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔“ پس وہ ہر اس کام سے اجتناب کرتے ہیں جو عذاب کا موجب ہے۔ ﴿إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا﴾ ”آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کے لائق ہے“ اس لئے ضروری ہے کہ ان تمام اسباب سے بچا جائے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے موجب ہیں۔

خوف، امید اور محبت یہ تین امور جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مقربین کا وصف قرار دیا ہے ہر بھلائی کی اساس ہیں۔ جس نے ان تینوں امور کی تکمیل کر لی اس کے تمام امور مکمل ہو گئے اور اگر قلب ان امور سے خالی ہے تو وہ تمام بھلائیوں سے محروم ہو جائے گا اور برائیاں اس کو گھیر لیں گی اور اللہ تعالیٰ نے محبت الہی کی علامت یہ بتائی ہے کہ بندہ ہر اس کام میں جدوجہد کرتا ہے جو قرب الہی کا ذریعہ ہے اور اپنے تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص، خیر خواہی اور حتی المقدور ان کو بہترین طریقے سے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر کے اس کے قرب کے حصول کے لئے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ ان تمام امور کے بغیر اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔

وَأَنْ مِّن قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَمَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا

اور نہیں کوئی بستی مگر ہم ہلاک کریں گے اسے پہلے دن قیامت سے یا عذاب دیں گے اسے

عَذَابًا شَدِيدًا ۱۸ كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ۱۹

عذاب شدید، ہے یہ کتاب میں لکھا ہوا ○

یعنی اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلانے والی کوئی بستی ایسی نہیں جسے روز قیامت سے پہلے ہلاکت یا عذاب کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اس کی مقرر کردہ تقدیر ہے جس کا وقوع لازمی ہے لہذا اس سے قبل کہ عذاب کا حکم آجائے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی بات پوری ہو جائے تکذیب کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اس کے رسولوں کی تصدیق کریں۔

وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ ۲۰ وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ

اور نہیں منع کیا ہمیں (اس سے) کہ بھیجیں ہم نشانیاں مگر (اس بات نے) کہ جھٹلایا تھا ان کو پہلے لوگوں نے، اور دی تھی ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی

مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا ۲۱ وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا ۲۲ وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ

(تشی) واضح، پس ظلم کیا انہوں نے اس کیساتھ، اور نہیں بھیجتے ہم نشانیاں مگر ڈرانے کیلئے ○ اور جب کہا ہم نے آپ سے کہ بیشک آپ کے رب نے

أَحَاطَ بِالنَّاسِ ۲۳ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ

گھیرا ہوا ہے لوگوں کو، اور نہیں بنایا ہم نے اس رؤیا (دیکھنے) کو، وہ جو دکھایا ہم نے آپ کو، مگر ایک آزمائش لوگوں کیلئے اور اس درخت (زقوم) کو بھی



## الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ وَنُحَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ۝

جس پر لعنت کی گئی ہے قرآن میں، اور ہم ڈراتے ہیں انہیں، پس نہیں بڑھاتا انہیں (ہمارا ڈرانا) مگر زیادہ بڑی سرکشی ہی میں ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اس کی رحمت ہے کہ اس نے اہل تکذیب کے مطالبے کے مطابق معجزات نازل نہیں فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے صرف اس وجہ سے معجزات ارسال نہیں فرمائے کہ وہ ان کو جھٹلا دیں گے اور جب یہ ان معجزات کو جھٹلا دیں گے تو ان پر بغیر کسی تاخیر کے فوراً عذاب نازل ہو جائے گا جیسا کہ پہلے لوگوں کے ساتھ کیا گیا تھا جنہوں نے معجزات کی تکذیب کی اور سب سے بڑا معجزہ جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے شمود کی طرف ارسال کیا وہ عظیم اونٹنی تھی کہ جس کے پانی پینے کے دن تمام قبیلے کو پانی نہ ملتا تھا مگر اس کے باوجود انہوں نے اس کی تکذیب کی اور اس کی پاداش میں ان پر وہ عذاب ٹوٹ پڑا جس کا اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح اگر ان کے پاس بڑے بڑے معجزات آتے تب بھی یہ ایمان نہ لاتے۔ اس لئے کہ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ نہیں کہ وہ چیز ان سے اوجھل اور ان پر مشتبہ ہو گئی جو رسول لے کر آیا تھا کہ آیا یہ حق ہے یا باطل کیونکہ رسول تو ان کے پاس بے شمار دلائل و براہین لے کر آیا ہے جو اس کی دعوت کی حقانیت پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ دعوت اس شخص کی ہدایت کی موجب ہے جو ہدایت کا طلب گار ہے ان کے سوا دیگر معجزات و براہین بھی انہی دلائل کی مانند ہیں جو رسول اللہ ﷺ پیش کر چکے ہیں انہوں نے جو سلوک ان کے ساتھ کیا تھا ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کریں گے اور ان کی حالت یہ ہو تو معجزات کا نازل نہ کرنا ان کے لئے بہتر اور فائدہ مند ہے۔ ﴿وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا﴾ اور نہیں بھیجتے ہم نشانیاں مگر ڈرانے کے لئے، یعنی ان آیات کا یہ مقصد نہ تھا کہ یہ ایمان کی موجب اور اس کی طرف دعوت دیتی تھیں اور ایمان کا حصول ان کے بغیر ممکن نہ تھا بلکہ ان آیات کا مقصد صرف تنویف و ترہیب تھا تاکہ وہ اپنے کرتوتوں سے باز آ جائیں۔

﴿وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ﴾ اور جب ہم نے آپ سے کہا کہ آپ کے رب نے لوگوں کو گھیر لیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و قدرت سے لوگوں کو گھیر رکھا ہے۔ پس ان کے لئے کوئی ٹھکانا نہیں جہاں یہ چھپ سکیں اور کوئی پناہ گاہ نہیں جہاں اللہ سے بھاگ کر پناہ لے سکیں اور یہ چیز عقل مند کے لئے ان امور سے باز رہنے کے لئے کافی ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں جس نے تمام لوگوں کا احاطہ کر رکھا ہے۔

﴿وَمَا جَعَلْنَا الزُّبْرَىَٰ الْآتِيَّ آتِيْنِكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ﴾ اور نہیں کیا ہم نے وہ خواب جو آپ کو دکھایا مگر لوگوں کی آزمائش کے لئے۔ اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ اس سے مراد شب معراج ہے۔ ﴿وَالشَّجَرَةُ الْمَلْعُونَةُ فِي الْقُرْآنِ﴾ اور (ایسے ہی) وہ درخت جس پر قرآن میں پھٹکار ہے، جس کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے اور اس سے مراد زقوم (تھوہر) کا پودا ہے جو جہنم کی تہ سے اگتا ہے..... معنی یہ ہے کہ یہ دونوں امور لوگوں کے لئے

آزمائش بن گئے یہاں تک کہ کفار اپنے کفر پر جم گئے اور ان کا شر اور زیادہ ہو گیا۔ جب آپ نے ان کو بعض امور کے بارے میں آگاہ فرمایا جن کا آپ نے معراج کی رات مشاہدہ فرمایا تھا اور آپ نے خبر دی تھی کہ مجھے راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا، جو ایک خارق عادت واقعہ تھا تو بعض کمزور ایمان والے اپنے ایمان سے پھر گئے۔ زقوم کے پودے کے بارے میں خبر دینا، جو جہنم کی تہہ سے اگتا ہے، یہ بھی ایک خارق عادت معاملہ ہے جو ان کے لئے تکذیب کا موجب بنا۔ پس اگر وہ اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں اور بڑے بڑے خارق عادت واقعات کا مشاہدہ کر لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا؟ اور اس کے سبب سے ان کے شر میں اضافہ نہ ہو جاتا؟ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کرتے ہوئے ان خوارق کو ان سے بنادیا۔ یہیں سے آپ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ بڑے بڑے امور کا قرآن و سنت میں صراحت کے ساتھ مذکور نہ ہونا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے کیونکہ وہ امور جن کی نظیر کا لوگوں نے مشاہدہ نہ کیا ہو بسا اوقات ان کی عقل ان کو قبول نہیں کر پاتی اور یوں یہ چیز بعض اہل ایمان کے دلوں میں شکوک و شبہات کا باعث بنتی ہے اور ایسا مانع رکاوٹ بن جاتی ہے جو لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکتی ہے اور ان کو اسلام سے متنفر کرتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے عام الفاظ استعمال کئے ہیں جو تمام امور کو شامل ہیں۔

﴿وَنُحَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا﴾ ”اور ہم ان کو ڈراتے ہیں (نشانوں کے ساتھ) تو وہ ان کو بڑی شرارتوں میں زیادہ ہی کرتی ہیں۔“ تنخویف ان کی سرکشی کو اور زیادہ بڑھا دیتی ہے اور شر کی محبت اور خیر سے بغض رکھنے اور خیر کی عدم پیروی کے بارے میں یہ بلخ ترین پیرایہ ہے۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ قَالَ ءَأَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا ۖ ﴿١﴾ قَالَ أَرَأَيْتَكَ هَذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ أَخَّرْتَنِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا ۖ ﴿٢﴾ قَالَ أَذْهَبَ فَمَنْ تَبَعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاءُكُمْ جَزَاءً مَوْفُورًا ۖ ﴿٣﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمْ

ان پر سوار اپنے اور پیادے اپنے، اور شریک (سامجھی) بن جاؤ انکا مالوں اور اولاد میں اور وعدے دے انہیں (جھوٹے)، اور انہیں وعدہ دیتا انہیں



الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ﴿٦٦﴾ إِنَّ عِبَادِي لَكُنْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۖ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ﴿٦٧﴾

شیطان مگر فریب ہی کا ○ بے شک میرے بندے، نہیں ہے واسطے تیرے ان پر کوئی غلبہ، اور کافی ہے آپکا رب بطور کارساز ○ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کو شیطان کی سخت عداوت اور اس کی بندوں کو گمراہ کرنے کی بے پناہ حرص کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے نیز اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ جب اس نے آدم علیہ السلام کو تخلیق کیا، تو شیطان نے تکبر کا اظہار کرتے ہوئے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ ﴿قَالَ﴾ اور نہایت تکبر سے کہا: ﴿عَسَىٰٓ أَجِدُ لِمَنِ خَلَقْتُ طِينًا﴾ ”کیا میں اس کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی کا بنایا،“ یعنی جس کو تو نے گارے سے پیدا کیا اور بزم خود وہ آدم سے بہتر ہے کیونکہ اسے آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ گزشتہ صفحات میں متعدد پہلوؤں سے اس قیاس باطل کی خرابی بیان کی جا چکی ہے۔ جب ابلیس پر واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فضیلت بخشی ہے ﴿قَالَ﴾ تو اللہ تبارک و تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: ﴿أَرَأَيْتَكَ هَٰذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنِ أَخَّرْتَنِ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَكُنْتُ بِكَ زَكِيًّا﴾ ”بھلا یہ شخص جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے اگر تو مجھے قیامت تک ڈھیل دے دے تو میں اس کی اولاد کو اپنے بس میں کر لوں گا،“ یعنی میں ضلالت کے ذریعے سے ضرور ان کو تباہ کروں گا اور ضرور ان کو سیدھے راستے سے بھٹکاؤں گا۔ ﴿إِلَّا قَلِيلًا﴾ ”سوائے تھوڑے لوگوں کے“ اس خبیث کو اچھی طرح معلوم تھا کہ بنی آدم میں سے کچھ لوگ ضرور ایسے ہوں گے جو اس سے عداوت رکھیں گے اور اس کی بات نہیں مانیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا: ﴿اذهب فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ﴾ ”جا“ ان میں سے جس نے تیری پیروی کی“ اور اپنے رب اور اپنے حقیقی سرپرست کو چھوڑ کر تجھے چن لیا۔ ﴿فَإِنْ جَهَنَّمَ جَزَاءُكُمْ جَزَاءً مَّوْفُورًا﴾ ”پس تم سب کی سزا جہنم ہے سزا پوری“ یعنی تمہارے لئے تمہارے اعمال کی پوری پوری جزا جمع کر دی گئی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے شیطان کو حکم دیا کہ وہ اس کے بندوں کو گمراہ کرنے کے لئے پورا زور لگائے چنانچہ فرمایا: ﴿وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ﴾ ”اور بھکالے ان میں سے جس کو تو بھکا سکے اپنی آواز سے۔“ اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو معصیت کی طرف دعوت دیتا ہے۔ ﴿وَاجْلِبْ عَلَيْهِم بِخَبِيلِكَ وَرَجُلِكَ﴾ ”اور لے آ ان پر اپنے سوار اور پیادے۔“ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں سوار ہو کر یا پیدل بھاگ دوڑ کرتا ہے شیطان کے سواروں اور پیادوں میں داخل ہے۔

مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس کھلے دشمن کے ذریعے سے آزمائش میں ڈالا ہے جو اپنے قول و فعل کے ذریعے سے ان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتا ہے ﴿وَشَارِكُهُم فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ﴾ ”اور ساجھا کر ان سے مالوں میں اور اولاد میں۔“ اس میں ہر وہ معصیت شامل ہے جو ان کے مال اور اولاد سے متعلق ہے مثلاً زکوٰۃ، کفارات، حقوق واجبہ ادا نہ کرنا، اولاد کی بھلائی اختیار کرنے اور شر کو ترک کرنے کی تربیت نہ کرنا“

ناحق مال لینا یا مال کو ناحق خرچ کرنا اور روزگار میں حرام ذریعے اختیار کرنا وغیرہ بلکہ بہت سے مفسرین ذکر کرتے ہیں کہ کھانا کھاتے، پانی پیتے اور جماع کرتے وقت بسم اللہ سے ابتدا نہ کرنا، مال اور اولاد میں شیطان کو شریک کرنے میں داخل ہے کیونکہ حدیث <sup>(۱)</sup> میں وارد ہے کہ ان مذکورہ کاموں میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو اس میں شیطان شریک ہو جاتا ہے۔ ﴿وَعِدْهُمْ﴾ یعنی ان کے ساتھ سجا سجا کر جھوٹے وعدے کر جن کی کوئی حقیقت نہیں بنا بریں فرمایا: ﴿وَمَا يَعِدُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا﴾ شیطان ان سے جو وعدہ کرتا ہے، وہ فریب ہوتا ہے، یعنی شیطان ان کے ساتھ جو وعدہ کرتا ہے وہ محض جھوٹا اور انتہائی بودا ہوتا ہے جیسے وہ ان کے سامنے معاصی اور عقائد فاسدہ کو سجا کر پیش کرتا ہے اور ان پر اجر کا وعدہ کرتا ہے، کیونکہ وہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا﴾ (البقرة: ۲۶۸/۲) ”شیطان تمہیں تنگدستی سے ڈراتا ہے اور تمہیں فحش کام کا حکم دیتا ہے اور اللہ تمہیں اپنی طرف سے بخشش اور فضل عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔“

یہ خبر دینے کے بعد کہ شیطان بندوں کے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ وہ کون سی چیز ہے جس کے ذریعے سے اس کے فتنے سے بچا جاسکتا ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی عبودیت، ایمان پر قائم رہنا اور اللہ تعالیٰ پر توکل، چنانچہ فرمایا: ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ ”بے شک میرے بندوں پر تجھے غلبہ نہیں ہوگا“ یعنی تجھے ان پر کوئی تسلط ہوگا نہ تو ان کو بھٹکا سکے گا، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے قیام عبودیت کی بنا پر ان سے ہر قسم کے شر کو دور ہٹا دے گا، شیطان مردود سے ان کی حفاظت کرے گا اور ان کے لئے کافی ہو جائے گا۔ ﴿وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا﴾ ”اور آپ کا رب کافی ہے بطور کارساز“ یعنی جو کوئی اس پر بھروسہ کرتا ہے اور اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہے، تو آپ کا رب اس کا کارساز ہے اور اس کے لئے کافی ہے۔

رَبُّكُمُ الَّذِي يُزَيِّجُ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿۶۱﴾ ”وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِلَٰهًا فَلَبَّا نَجُوكُمْ“ بہت کم کرنا والا اور جب پہنچتی ہے تمہیں تکلیف سمندر میں تو تم ہو جاتے ہیں وہ جنہیں تم پکارتے ہو وائے اس ایک اللہ کے پھر جب وہ نجات دیتا ہے تمہیں اِلٰی الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۲﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْصِفَ بِكُمْ جَانِبَ خَشْكِ كِي طَرَفِ تَوْمَنٍ پھیر لیتے ہو تم اور ہے انسان نہایت ناشکرا کیا پس بے خوف ہو گئے ہو تم اس سے کہ وہ دھندلا دے تمہیں ایک جانب الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ﴿۶۳﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُعِيدَ كُمْ خَشْكِ كِي طَرَفِ تَوْمَنٍ پر سنگ ریزوں والی سخت ہوا؟ پھر نہ پاؤ تم اپنے لئے کوئی کارساز یا بے خوف ہو گئے ہو تم اس سے کہ وہ لوٹا دے تمہیں



فِيهِ تَارَةً أُخْرَى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُم بِهَا كَفْرْتُمْ

اسی (سمندر) میں دوسری بار، پھر وہ بھیجے تم پر توڑ پھوڑ دینے والی ہوا کہ وہ غرق کر دے تمہیں بوجہ اس کے کہ کفر کیا تم نے،

ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْكَ تَبِيْعًا ۝۹

پھر نہ پاؤ تم اپنے لئے ہم پر بدلے اس کے کوئی پیچھا کرنے والا؟ ۝۹

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی نعمت کا ذکر فرماتا ہے کہ اس نے ان کے لئے کشتیوں، سفینوں اور دیگر سواریوں کو مسخر کر دیا اور ان کو الہام کے ذریعے سے کشتی سازی کی صنعت و صنعت کی موجیں مارتا ہوا سمندر ان کے لئے مسخر کر دیا جس کی پیٹھ پر یہ سفینے تیرتے پھرتے ہیں تاکہ بندے اس پر سوار ہوں اور اپنے مال و متاع کی نقل و حمل میں اس سے فائدہ اٹھائیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر بے پایاں رحمت ہے وہ ہمیشہ سے ان پر بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ وہ انہیں ہر وہ چیز عنایت کرتا ہے جس کا وہ ارادہ کرتے ہیں اور جس کے ساتھ ان کے مفادات وابستہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی ہے جو یہ دلالت کرتی ہے کہ باطل معبودوں کی بجائے صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے۔ جب سمندر میں انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور نیچے بلند ہوتی ہوئی موجوں کی وجہ سے جب وہ ہلاکت سے ڈرتے ہیں تو وہ ان تمام زندہ اور مردہ معبودوں کو بھول جاتے ہیں جنہیں وہ اپنی خوش حالی میں اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے..... اس وقت تو ایسے لگتا ہے جیسے انہوں نے کسی وقت بھی ان کمزور معبودوں کو نہیں پکارا جو کسی قسم کی تکلیف دور کرنے سے عاجز ہیں اور وہ کائنات کو پیدا کرنے والے کو پکارتے ہیں جس کو تمام مخلوق اپنی خفیتوں میں مدد کے لئے پکارتی ہے اور وہ اس حال میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے اور اسی کے سامنے گڑ گڑاتے ہیں۔

پس جب اللہ تعالیٰ ان کی مصیبت دور کر دیتا ہے اور انہیں صحیح سلامت کنارے پر لگا کر سمندر کی ہلاکت سے نجات دے دیتا ہے تو وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں جو انہوں نے اللہ کو پکارا تھا۔ پھر وہ ان ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنادیتے ہیں جو کوئی نفع دے سکتی ہیں نہ نقصان جو کسی کو عطا کر سکتی ہیں نہ کسی کو محروم کر سکتی ہیں اور اپنے رب اور مالک سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ یہ انسان کی جہالت اور ناسپاسی ہے۔ بے شک انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا سخت ناسپاس ہے سوائے اس شخص کے جسے اللہ تعالیٰ راہ راست دکھا دے۔ پس اسے عقل سلیم سے نواز دیتا ہے اور وہ راہ راست پر گامزن ہو جاتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو مصیبتیں دور کرتا ہے اہوال سے نجات دیتا ہے وہی اس بات کا مستحق ہے کہ سختی اور نرمی میں خوشحالی اور تنگدستی میں تمام اعمال کو صرف اسی کے لئے خالص کیا جائے۔ رہا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ اس کی کمزور عقل کے حوالے کر دے تو وہ مصیبت اور سختی کے وقت صرف موجودہ اور عارضی مصلحت کو ملحوظ اور اس حال میں اپنی نجات کو مد نظر رکھتا ہے اور جب اسے اس مصیبت سے نجات حاصل

ہوتی ہے اور اس سے سختی دور ہو جاتی ہے تو وہ اپنی حالت کی وجہ سے سمجھ بیٹھتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو بے بس کر دیا اور اس کے دل میں آخرت کا خیال تو کجا اسے اپنے دنیاوی انجام کے بارے میں بھی کبھی خیال نہیں آتا۔

اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ کہہ کر یاد دہانی کروائی ہے۔ ﴿اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْنَكُمْ حَاصِبًا﴾ ”کیا تم (اس سے) بے خوف ہو کہ اللہ تمہیں خشکی کی طرف (لے جا کر زمین میں) دھنسا دے یا تم پر سنگریزوں کی بھری ہوئی آندھی چلا دے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اگر وہ چاہے تو تمہیں عذاب کے طور پر زمین میں دھنسا دے یا تم پر پتھر برسائے والی طوفانی ہوا بھیج دے اور یہ وہ عذاب ہے جو ان کو پہنچے گا اور وہ سب ہلاک ہو جائیں اس لیے یہ نہ سوچو کہ سمندر کے سوا کہیں اور عذاب نہیں آ سکتا اور اگر تم یہی سمجھتے ہو تو کیا تم اس بات سے محفوظ ہو کہ ﴿اَنْ يُعِيدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰی فَيُرْسِلَ عَلَيْنَكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرَّیْحِ﴾ ”وہ تمہیں پھر سمندر میں لے جائے دوسری مرتبہ پھر بھیجے وہ تم پر سخت ہوا کا جھونکا“ یعنی سخت تیز ہوا جو جہاں سے گزرے ہر چیز کو توڑ کر رکھ دے۔ ﴿فَيَغْرِقْكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا يَه تَبِیْعًا﴾ ”پس وہ تمہیں تمہاری ناشکری کی وجہ سے غرق کر دے پھر نہ پاؤ تم اپنی طرف سے ہم پر اس کا کوئی باز پرس کرنے والا“ یعنی کوئی تاوان اور مطالبہ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ذرہ بھر تم پر ظلم نہیں کیا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيَّ اٰدَمَ وَحَمَلْنَهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَهُم مِّنَ الطَّیِّبٰتِ

اور البتہ تحقیق عزت دی ہم نے بنی آدم کو اور سوار کیا ہم نے انہیں خشکی اور تری میں اور رزق دیا ہم نے انکو پاکیزہ (چیزوں) سے،

وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ﴿۷﴾

اور فضیلت دی ہم نے ان کو اوپر بہت سی (مخلوقات) کے ان میں سے جنکو پیدا کیا ہم نے، فضیلت بڑی ○

یہ اس کا بے پناہ کرم و احسان ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا..... کہ اس نے بنی آدم کو ہر لحاظ سے عزت و تکریم سے نوازا۔ انہیں علم و عقل عطا کر کے انبیاء و ورسل بھیج کر اور ان پر کتابیں نازل کر کے اکرام بخشا، ان میں سے اپنے اولیاء اور دیگر چنے ہوئے بندے پیدا کئے اور ان کو اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا۔ ﴿وَحَمَلْنَاهُمْ فِی الْبَرِّ﴾ ”اور ہم نے سواری دی ان کو خشکی میں“، یعنی ہم نے انہیں اونٹوں، شجروں، گدھوں اور دیگر زمینی سوار یوں پر سوار کرایا۔ ﴿وَالْبَحْرِ﴾ ”اور دریا میں“، یعنی ہم نے انہیں بحری جہازوں اور کشتیوں پر سوار کرایا۔ ﴿وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ﴾ ”اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے روزی دی“، یعنی ہم نے انہیں ماکولات، مشروبات، ملبوسات اور بیویاں عطا کیں، چنانچہ ہر وہ پاک چیز جس کے ساتھ ان کی ضروریات وابستہ ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ان کو مشرف فرمایا اور اس کا حصول ان کے لئے نہایت آسان کر دیا۔

﴿وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا﴾ ”اور ہم نے بہت سی مخلوق پر ان کو بڑی فضیلت عطا کی“، یعنی



ہم نے انہیں بہت سے مناقب کے ذریعے سے خصوصی اعزاز بخشا اور انہیں بہت سے فضائل عطا کئے جو مختلف اقسام کی دیگر مخلوقات کو عطا نہیں کئے..... پھر وہ اس ہستی کا شکر کیوں نہیں کرتے جس نے نعمتیں عطا کیں، تکالیف دور کیں؟ یہ نعمتیں انہیں اللہ تعالیٰ سے محبوب نہ کریں کہ وہ ان نعمتوں میں مشغول ہو کر اپنے رب کی عبادت سے غافل ہو جائیں بلکہ بسا اوقات انہوں نے ان نعمتوں کو اپنے رب کی نافرمانی میں استعمال کیا۔

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهُ بِيَسِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ

جس دن بلائیں گے ہم تمام انسانوں کو ان کے امام کے ساتھ، پس جو شخص کو دیا گیا اس کا نامہ اعمال اسکے دائیں ہاتھ میں، سو یہی لوگ

يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝۶۱ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖ

پڑھیں گے اعمال نامے اپنے اور نہ ظلم کئے جائیں گے وہ تائے برابر بھی ۶۱ اور جو کوئی ہے اس (دنیا) میں

اَعْلٰی فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْلٰی وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝۶۲

اندھا تو وہ ہو گا آخرت میں بھی اندھا اور بہت زیادہ بھٹکا ہوا راہ سے ۶۲

قیامت کے روز مخلوق کا جو حال ہو گا اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے کہ وہ تمام لوگوں کو (اپنی عدالت میں) بلائے گا ان کے ساتھ ان کے امام اور رشد و ہدایت کی طرف راہنمائی کرنے والے راہ نمائے یعنی انبیاء و مرسلین اور ان کے نائبین بھی ہوں گے۔ پس ہر امت اللہ کے حضور پیش ہوگی اور اس امت کو وہی رسول اللہ کے حضور پیش کرے گا جس نے دنیا میں اسے دعوت تو حید پیش کی تھی۔ ان کے اعمال اس کتاب کے سامنے پیش کئے جائیں گے جسے لے کر رسول اس امت میں مبعوث ہوا تھا کہ آیا ان کے اعمال اس کتاب کے موافق ہیں یا نہیں۔ تب یہ لوگ دو قسم کے گروہوں میں منقسم ہو جائیں گے۔ ﴿فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهُ بِيَسِيْنِهٖ﴾ ”پس جس کو ملا اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں“ کیونکہ اس نے صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرنے والے اپنے ہادی و راہنما کی پیروی کی تھی اور اس کی کتاب کو اپنا لائحہ عمل بنایا تھا تب اس کی نیکیاں بڑھ گئیں اور اس کے گناہ کم ہو گئے۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ﴾ ”پس وہ (خوش خوش) اپنے اعمال نامے کو پڑھیں گے“ کیونکہ وہ اس اعمال نامے میں ایسی چیزیں دیکھیں گے جنہیں دیکھ کر انہیں فرحت و سرور حاصل ہوگا۔ ﴿وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا﴾ ”اور ان پر ایک دھماگے برابر ظلم نہیں ہوگا“ یعنی انہوں نے جو نیک عمل کئے ہیں اس بارے میں ان پر ذرہ بھر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

﴿وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖ﴾ ”اور جو رہا اس دنیا میں“ ﴿اَعْلٰی﴾ ”اندھا“ یعنی حق کے دیکھنے سے۔ پس اس نے حق کو قبول کیا نہ اس کی پیروی کی بلکہ وہ گمراہی کے راستے پر چلتا رہا ﴿فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْلٰی﴾ ”تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا“ یعنی جس طرح وہ دنیا میں جنت کے راستے پر گامزن نہ ہوا اسی طرح وہ آخرت میں بھی جنت کے راستے کو دیکھ نہ سکے گا ﴿وَاَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ ”اور بہت دور پڑا ہوا راستے سے“ کیونکہ عمل کی جزا بھی اسی کی جنس

سے ہوتی ہے، یعنی جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ ہر امت کو اس کے دین اور کتاب کی طرف بلایا جائے گا کہ آیا اس نے اس کتاب کے مطابق عمل کیا یا نہیں؟ ان کا کسی ایسے نبی کی شریعت کے مطابق مواخذہ نہیں کیا جائے گا جس کی اتباع کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو صرف اسی وقت عذاب دیتا ہے جب اس پر حجت قائم کر دی گئی ہو اور اس نے اس کی مخالفت کی ہو اور نیک لوگوں کو ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے اور انہیں بہت زیادہ فرحت و سرور حاصل ہوگا اور اس کے برعکس برے لوگوں کو ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور وہ غم زدہ ہوں گے وہ شدتِ حزن و غم اور ہلاکت کی وجہ سے اپنے اعمال ناموں کو پڑھنے پر قادر نہ ہوں گے۔

وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ وَإِذَا

اور بلاشبہ قریب تھا کہ وہ البتہ پھسلا دیتے آپ کو اس چیز سے جو وحی کی ہم نے آپ کی طرف بتا کر گھڑ لیں آپ ہم پر باتیں (سوئے) اس (وحی) کے، اور اس وقت

لَا تَخْذُوكَ خَلِيلًا ۝ وَلَوْ لَا أَنْ تَبْتَنِكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكُنَ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝

ضرور بنا لیتے وہ آپ کو دوست ۝ اور اگر نہ ثابت (قدم) رکھتے ہم آپ کو تو البتہ تحقیق قریب تھے آپ کہ جھک جاتے اُنکی طرف کچھ تھوڑا سا ۝

إِذَا لَذَقْنَكَ ضَعْفَ الْحَيَوةِ وَضَعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ۝ وَإِنْ

اس وقت ضرور چکھاتے ہم آپ کو گناہ عذابِ زندگی میں اور گناہ عذابِ موت پر، پھر نہ پاتے آپ اپنے لئے ہمارے خلاف کوئی مددگار ۝ اور بلاشبہ

كَادُوا لَيَسْتَفْزُواكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذَا لَا يَلْبَثُونَ خَلْفَكَ

قریب تھے کہ اکھاڑ دیں وہ آپ (کے قدموں) کو اس زمین (مکہ) سے تاکہ نکال دیں وہ آپ کو اس سے، اور اس وقت نہ ٹھہرے وہ (خود بھی) بعد آپ کے

إِلَّا قَلِيلًا ۝ سُنَّةٌ مَّن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا

مگر تھوڑی ہی دیر ۝ (مانند) طریقے اُنکے جنہیں بھیجا ہم نے پہلے آپ سے اپنے رسولوں میں سے،

وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ۝

اور نہیں پائیں گے آپ ہمارے طریقے (قانون) میں کوئی تبدیلی ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ پر اپنے احسان و نوازش اور آپ کے دشمنوں سے آپ کی حفاظت کا ذکر کرتا ہے جو ہر طریقے سے آپ کو آزمائش میں مبتلا کرنے کی شدید خواہش رکھتے تھے چنانچہ فرمایا:

﴿وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ﴾ ”یقیناً قریب تھا کہ وہ آپ کو بہکا دیتے اس وحی سے جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی تاکہ آپ جھوٹ بنالائیں ہم پر وحی کے سوا“ یعنی وہ آپ کے خلاف ایک معاملے میں سازش کر چکے ہیں مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے انہوں نے آپ کے خلاف چال



چلی تھی کہ آپ اس قرآن کے علاوہ اللہ تعالیٰ پر کوئی اور بہتان گھڑیں جو ان کی خواہشات نفس کے موافق ہو اور آپ اس چیز کو چھوڑ دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمائی ہے۔

﴿وَإِذَا﴾ ”اور تب“ یعنی اگر آپ وہ کچھ کرتے جو وہ چاہتے ہیں تو ﴿لَا تَتَّخِذْ وَلَكَ خَلِيلًا﴾ ”وہ بنا لیتے آپ کو دوست“ یعنی خاص دوست جو ان کو ان کے دوستوں سے زیادہ عزیز ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکارم اخلاق اور محاسن آداب سے نوازا ہے جو قریب اور بعید دوست اور دشمن سب کو پسند ہیں۔ مگر آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ آپ کے ساتھ صرف اس حق کی وجہ سے عداوت رکھتے ہیں جسے آپ لے کر مبعوث ہوئے ہیں ان کو آپ علیہ السلام کی ذات کے ساتھ کوئی عداوت نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزَنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يَكَذِبُونَ﴾ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿﴾ (الانعام: ۳۳/۶) ”ہم جانتے ہیں کہ جو لوگ یہ باتیں بناتے ہیں ان سے آپ کو دکھ ہوتا ہے مگر درحقیقت یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں۔“

﴿وَلَوْلَا أَنْ تَبْتَئِنَّكَ﴾ ”اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے آپ کو سنبھالے رکھا“ بایں ہمہ اگر ہم نے آپ کو حق پر ثابت قدم نہ رکھا ہوتا اور آپ کو گمراہی کی طرف بلانے والے کی دعوت کو قبول نہ کر کے آپ پر احسان نہ کیا ہوتا ﴿لَقَدْ كِدْتَ تَرْكُنْ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا﴾ ”تو قریب تھا کہ آپ جھک جاتے ان کی طرف تھوڑا سا“ یعنی ان کی ہدایت کی کوشش اور چاہت میں ﴿إِذَا﴾ ”تب“ یعنی اگر آپ ان کی خواہشات کی طرف مائل ہو جاتے ﴿لَا دَفْنُكَ ضَعْفَ الْحَيَوةِ وَضَعْفَ الْمَمَاتِ﴾ ”ہم ضرور چکھاتے آپ کو دگنا (عذاب) زندگی میں اور دگنا مرنے میں“ یعنی ہم آپ کو دنیا و آخرت میں کئی گنا عذاب دیتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامل ترین نعمتوں سے نوازا ہے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت حاصل ہے۔

﴿ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا﴾ ”پھر نہ پاتے آپ اپنے لئے ہم پر مدد کرنے والا“ جو آپ کو نازل ہونے والے عذاب سے بچا سکے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آپ کو شر اور تمام اسباب شر سے محفوظ رکھا آپ کو ثابت قدمی عطا کی اور صراط مستقیم کی طرف آپ کی راہنمائی فرمائی اور آپ کسی طرح بھی مشرکین کی طرف مائل نہ ہوئے۔ پس آپ کو اللہ تعالیٰ نے کامل ترین نعمتوں سے نوازا رکھا ہے۔

﴿وَأَنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّوكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا﴾ ”اور یقیناً قریب تھا کہ وہ پھسلا دیں آپ کو اس زمین سے تاکہ نکال دیں وہ آپ کو یہاں سے“ یعنی آپ کے ساتھ ان کے درمیان رہنے پر بغض کے سبب سے آپ کو سرزمین مکہ سے نکالنے اور آپ کو جلا وطن کرنے کے لئے سازشیں کرتے رہے ہیں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو آپ کے بعد بہت تھوڑا عرصہ یہاں ٹھہر سکیں گے یہاں تک کہ ان پر عذاب نازل ہو جائے جیسا کہ سنت

الہی ہے اور تمام قوموں کے بارے میں سنت الہی میں کبھی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوتا۔ جس قوم نے اپنے رسول کو جھٹلایا اور اس کو نکال دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا ہی میں اس پر عذاب نازل کر دیا۔ جب کفار مکہ نے آپ کے خلاف سازشیں کیں اور آپ کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا تو وہ کچھ زیادہ عرصہ مکہ میں نہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر میدان بدر میں عذاب نازل کر دیا، ان کے تمام بڑے بڑے اور سرکردہ سردار قتل کر دیئے گئے اور ان کی کمر توڑ دی گئی۔ فَلَهُ الْحَمْدُ۔

یہ آیات کریمہ دلالت کرتی ہیں کہ بندہ اس بات کا شدید محتاج ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدمی سے نوازے رکھے اور یہ کہ بندہ گڑگڑا کر اپنے رب سے دعا کرتا رہے کہ وہ اسے ایمان پر ثابت قدمی عطا کرے اور اس مقصد کے حصول کے لئے تمام اسباب اختیار کرنے میں کوشاں رہے۔ نبی مصطفیٰ ﷺ مخلوق میں سب سے کامل ہستی تھے بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا: ﴿وَلَوْلَا أَنْ تَبْتَئْتَنَا لَفَدَّكَ تَرَكُّنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا﴾ اور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں جب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے تو دوسروں کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے۔

ان آیات کریمہ میں اللہ کی طرف سے اس بات کی یاد دہانی ہے کہ اس نے اپنے رسول پر احسان فرمایا اور اس کو شر سے محفوظ رکھا۔ پس یہ بات دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف سے یہ امر پسند کرتا ہے کہ وہ اسباب شر کے وجود کے وقت اس کی نعمتوں کا ادراک کریں کہ اس نے ان کو شر سے بچایا اور ایمان پر ثبات عطا کیا۔ ان آیات کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بندے کے بلند مرتبے کے مطابق اس کو پے درپے نعمتیں عطا ہوتی ہیں۔ اسی طرح جب وہ قابل ملامت فعل سرانجام دیتا ہے تو اس کا گناہ بھی بڑا ہوتا ہے اور اس کا جرم کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس ارشاد کے ذریعے سے نصیحت فرمائی حالانکہ آپ ہر گناہ سے پاک اور معصوم ہیں۔ ﴿إِذَا لَا ذَقْنَكَ ضَعْفَ الْحَيَوةِ وَضَعْفَ الْمَوَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْهَا نَصِيرًا﴾ ان آیات کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کے جرائم بڑھ کر کئی گنا ہو جاتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ حق ثابت ہو جاتا ہے تب اللہ ان پر عذاب واقع کر دیتا ہے جیسا کہ قوموں کے بارے میں سنت الہی ہے جب وہ اپنے رسول کو اس کے وطن سے نکال دیتی ہیں۔

أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذُلُولِ الشَّمْسِ إِلَى عَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ قَاتِمًا كَيْفَ نَمَازٍ وَتُحِلُّهُ سَوْرَةُ الرَّجْعِ، رَاتِ كَے اَنَدِھِرَے تَنَكْ، اَوْر نَمَازِ صَبحِ بَھِ، بَے شَك نَمَازِ صَبحِ ھِے (وَقْتُ فَرَشَتُوں كَے)

مَشْهُودًا ۵۸ وَمَنْ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ حَاضِرِ ھُونِے كَا ۞ اَوْر كَچھ صَدَقَاتِے سَے بَھِ، پَہِں تَہجد پڑھیں اَپ سَا تَھَاں (قُرْآنِ كَے، یَے) زَانَدِے اَپ كَیلِے قَرِیبِ ھِے كَے كَھڑا كَے اَچْھَا پَكَارِبِ،

مَقَامًا مَّحْصُودًا ۵۹ وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مَدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مَخْرَجَ صِدْقٍ مَقَامِ مَحْمُودِ میں ۞ اَوْر كَہِے اے مِیرے رب! داخِل كر مجھے داخِل كرنا سچا اور نكال مجھے نكالنا سچا



وَّاجْعَلْ لِّي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸﴾ وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ

اور کر میرے لئے اپنی طرف سے غلبہ مدد دینے والا ○ اور آپ کہہ دیجئے! آ گیا حق اور مٹ گیا

الْبٰطِلُ ط إِنَّ الْبٰطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸﴾

باطل، بلاشبہ باطل ہے ہی مٹنے والا ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ وہ نماز کو ظاہری اور باطنی طور پر اس کے اوقات میں مکمل طور پر قائم کریں ﴿لَذُلُوْكَ الشَّيْءُ﴾ ”سورج ڈھلنے سے“ یعنی زوال کے بعد سورج کے مغربی افق کی طرف مائل ہو جانے سے لے کر اس میں ظہر اور عصر کی نمازیں داخل ہیں ﴿إِلَى عَسَقِ اللَّيْلِ﴾ ”رات کے اندھیرے تک“ یعنی رات کی تاریکی میں اور اس میں مغرب اور عشاء کی نمازیں داخل ہیں ﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ﴾ ”اور فجر کا قرآن پڑھنا“ یعنی فجر کی نماز اور اسے ”قرآن“ اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ اس میں قراءت قرآن کی طوالت مشروع ہے۔ یہ قراءت دوسری نمازوں کی قراءت سے زیادہ لمبی ہوتی ہے نیز فجر کی نماز میں قراءت کی فضیلت ہے کیونکہ اس میں رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں فرض نمازوں کے اوقات پہنچانے کا ذکر ہے ان اوقات میں پڑھی جانے والی نمازیں فرض ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ان کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ آیت کریمہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ وقت صحت نماز کے لئے شرط ہے اور دخول وقت نماز کے واجب ہونے کا سبب ہے کیونکہ اس نے ان اوقات میں نماز کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے نیز آیت سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کو کسی عذر کی بناء پر جمع کیا جاسکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر دو نمازوں کے اوقات کو اکٹھا بیان کیا ہے۔ اس سے نماز فجر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نماز فجر میں لمبی قراءت کی فضیلت ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ قراءت نماز کا رکن ہے کیونکہ جب عبادت کے کسی جز کو اس عبادت کے نام سے موسوم کر دیا جائے تو وہ اس جز کی فرضیت پر دلالت کرتا ہے۔

﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ﴾ ”اور رات کے ایک حصے میں آپ اس قرآن کے ساتھ جاگئے“ یعنی اس کے تمام اوقات میں نماز پڑھئے ﴿نَافِلَةً لَّكَ﴾ ”آپ کے لیے زیادت ہے۔“ یعنی تاکہ رات کی یہ نماز آپ کے لئے زیادہ ثواب بلند مراتب اور بلند درجات کی باعث ہو بخلاف دیگر اہل ایمان کے کہ ان کے لئے یہ نماز ان کی برائیوں کا کفارہ ہے۔ اس میں اس معنی کا احتمال بھی ہے کہ پانچ نمازیں آپ پر اور تمام اہل ایمان پر فرض ہیں اور تہجد کی نماز خصوصی طور پر آپ پر فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تکرمیم بخشی کہ آپ کا وظیفہ عبادت دوسرے مومنوں سے زیادہ مقرر فرمایا تاکہ وہ آپ کی عظمت شان کو سمجھیں اور آپ اس کے ذریعے سے مقام محمود پر فائز ہوں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں اولین و آخرین آپ کی ستائش کریں گے۔ یہ شفاعت عظمیٰ کا مقام ہے جب تمام

خلاق حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس شفاعت کروانے کے لئے جائیں گے تو یہ تمام رسول شفاعت کرنے سے معذرت کریں گے اور پیچھے ہٹ جائیں گے تب لوگ بنی آدم کے سردار حضرت رسول اکرم ﷺ سے شفاعت کرنے کی درخواست کریں گے تاکہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرتے ہوئے اس مقام کی ہولناکیوں سے ان کو نجات دے۔ نبی مصطفیٰ ﷺ اپنے رب کے پاس شفاعت کریں گے اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا اور آپ کو ایسے مقام پر فائز کرے گا کہ اولین و آخرین آپ پر رشک کریں گے اور یوں تمام مخلوق آپ کی احسان مند ہوگی۔

﴿وَقُلْ رَبِّ ادْخُلْنِيْ مَدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ﴾ ”کہہ دیجئے! اے میرے رب داخل کر مجھ کو سچا داخل کرنا اور نکال مجھ کو سچا نکالنا“ یعنی میرا داخل ہونا اور میرا باہر نکلنا تیری اطاعت میں اور تیری رضا کے مطابق ہوتا کہ داخل ہونا اور باہر نکلنا اخلاص کو مضمّن اور امر کے موافق ہو ﴿وَاَجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا﴾ ”اور کر دے میرے لئے اپنی طرف سے مدد کرنے والی دلیل“ یعنی مجھے اپنی طرف سے ان تمام امور پر حجت ظاہرہ اور برہان قاطع عطا کر جن کو میں اختیار کروں اور جن کو میں ترک کروں۔ یہ بندے کا بلند ترین حال ہے جس پر اللہ تعالیٰ اسے فائز کرتا ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ بندے کے تمام احوال بہترین احوال ہوں جو اسے اپنے رب کے قریب کریں اور بندے کے پاس اس کے ہر حال پر ایک ظاہری دلیل ہو اور یہ چیز علم نافع، عمل صالح اور مسائل و دلائل کے علم کو مضمّن ہے۔

﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ ”اور کہہ دیجئے! حق آ گیا اور باطل نکل بھاگا۔“ حق وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف نازل فرمایا اور آپ کو حکم دیا کہ وہ اپنے قول سے اس کا اعلان کر دیں کہ حق آ گیا ہے اس کے مقابلے میں کوئی چیز کھڑی نہیں رہ سکتی اور باطل چلا گیا، یعنی مضحل ہو کر معدوم ہو گیا۔ ﴿اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ ”بے شک باطل بے نکل بھاگنے والا“ یعنی یہ باطل کا وصف ہے مگر کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر باطل کے مقابلے میں حق موجود نہ ہو تو باطل عروج پا کر مروج ہو جاتا ہے تاہم جب حق آ جاتا ہے تو باطل مضحل ہو جاتا ہے اور اس میں کوئی حرکت باقی نہیں رہتی اسی لئے باطل صرف انہی زمانوں اور انہی علاقوں میں رواج پاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کی بینات کے علم سے خالی ہوتے ہیں۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن کہ وہ شفاء اور رحمت ہے مومنوں کے لئے،

وَلَا يَزِيْدُ الظَّالِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۶﴾

اور نہیں زیادہ کرتا وہ ظالموں کو مگر خسارے ہی میں ○



﴿وَنَزَّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظَّالِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا﴾ اور اتارتے

ہیں ہم قرآن میں سے جس میں شفا ہے اور مومنوں کے لئے رحمت اور گناہ گاروں کا تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے، یعنی قرآن کریم شفا اور رحمت پر مشتمل ہے اور یہ شفا اور رحمت ہر ایک کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف اہل ایمان کے لئے ہے جو اس کی آیات کی تصدیق کر کے اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ رہے ظالم جو اس کی تصدیق نہیں کرتے یا اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے تو اس کی آیات ان کے خسارے ہی میں اضافہ کرتی ہیں کیونکہ ان پر رحمت قائم ہو جاتی ہے۔ پس وہ شفا جس کو قرآن متضمن ہے وہ قلوب کے لئے شفا ہے عام ہے اور قلوب کو شبہات، جہالت، آراء فاسدہ، انحراف مذموم اور گھٹیا مقاصد جیسے امراض کو دور کرتی ہے کیونکہ قرآن علم یقینی پر مشتمل ہے جو ہر قسم کی جہالت اور تمام شبہات کو زائل کر دیتا ہے۔ قرآن وعظ و تذکیر پر مشتمل ہے جو ہر شہوت کو ختم کر دیتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت ہو۔ قرآن ابدان کے آلام و امراض سے شفا کو بھی متضمن ہے۔

رہی رحمت، تو قرآن کے اندر ایسے اسباب اور وسائل ذکر کئے گئے ہیں جن کو اختیار کرنے کی قرآن ترغیب دیتا ہے۔ جب بندہ ان کو اختیار کر لیتا ہے تو بے پایاں رحمت ابدی سعادت دنیاوی اور اخروی ثواب سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ

اور جب انعام کرتے ہیں ہم اوپر انسان کے تو وہ اعراض کرتا ہے اور دور کر لیتا ہے وہ پہلو ہٹا دیتا ہے اور جب پہنچتی ہے اسے

الشَّرُّ كَانَ يَئُوسًا ﴿۱۶﴾

تکلیف تو ہو جاتا ہے وہ ناامید

انسان جہاں بھی ہے یہ اس کی فطرت ہے سوائے اس کے جس کی اللہ راہنمائی فرمائے کہ جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں عطا ہوتی ہیں تو وہ ان نعمتوں پر بہت خوش ہوتا ہے ان پر اتراتا ہے حق سے روگردانی کرتا ہے، اینٹھتا ہے اور اپنے رب سے منہ موڑ لیتا ہے وہ اس کا شکر ادا کرتا ہے نہ اس کو یاد کرتا ہے۔ ﴿وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ﴾ اور جب اس کو برائی پہنچتی ہے، مثلاً بیماری وغیرہ ﴿كَانَ يَئُوسًا﴾ ”تو مایوس ہو جاتا ہے۔“ یعنی بھلائی سے بالکل مایوس ہو جاتا ہے رب سے اپنی امید منقطع کر لیتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ جس حالت میں ہے ہمیشہ اسی میں رہے گا۔ اور وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ ہدایت سے نواز دیتا ہے وہ نعمتیں میسر ہونے پر اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کے ساتھ جھک جاتا ہے اور اس کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہے اور جب وہ سختی اور مصیبت سے دوچار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتا ہے اللہ تعالیٰ سے عافیت اور اس مصیبت کے دور ہونے کی امید رکھتا ہے اور اس سے اس کی مصیبت ہلکی ہو جاتی ہے۔

قُلْ كُلُّ يَعْمَلْ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَىٰ سَبِيلًا ﴿۱۷﴾

کہہ دیجئے! ہر شخص عمل کرتا ہے اوپر اپنے طریقے کے، پس تمہارا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو، جو ہے زیادہ سیدھے راستے پر

﴿قُلْ كُنْ﴾ ”کہہ دیجیے ہر ایک“ یعنی لوگوں میں سے۔ ﴿يَعْمَلْ عَلَىٰ شَاكِرَتِهِ﴾ ”کام کرتا ہے اپنے ڈھنگ پر“ یعنی اس طریقے پر جو اس کے احوال کے لائق ہوتا ہے۔ اگر وہ نیک بندوں میں سے ہیں تو ان کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ان کا عمل رب کائنات کی رضا کی خاطر ہوتا ہے اور اگر وہ نیک اور ابراہار لوگوں کی بجائے ان لوگوں میں سے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ ان کے حال پر چھوڑ کر ان سے الگ ہو گیا ہو تو ان کے لئے صرف وہی عمل مناسب ہوتا ہے جو اس نے مخلوق کو خوش کرنے کے لئے کیا ہو اور ان کے موافق صرف وہی عمل ہوتا ہے جو ان کی اغراض کے موافق ہو۔ ﴿فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَن هُوَ أَهْدَىٰ سَبِيلًا﴾ ”پس تمہارا رب اس شخص سے خوب واقف ہے جو سب سے زیادہ سیدھے راستے پر ہے۔“ یعنی وہ خوب جانتا ہے کہ کون ہے جو ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ پس اسے ہدایت سے نواز دیتا ہے اور کون ہے جو صلاحیت نہیں رکھتا تو وہ اسے اپنے حال پر چھوڑ کر ہدایت سے محروم کر دیتا ہے۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ

اور پوچھتے ہیں وہ (یہودی) آپ سے، روح کی بابت، کہہ دیجئے، روح امر ہے میرے رب کا اور نہیں دیئے گئے تم

مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۸۵﴾

علم سے مگر بہت ہی تھوڑا ○

یہ آیت کریمہ ایسے لوگوں کو باز رکھنے کو متضمن ہے جو ایسے سوالات پوچھتے ہیں جن سے ان کا مقصد محض تعنت اور مسئلہ کو لا جواب کرنا ہوتا ہے۔ درآں حالیکہ وہ اہم امور کے بارے میں سوال نہیں کرتے۔ پس وہ روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں جس کا تعلق مخفی امور سے ہے۔ کوئی شخص بھی روح کا وصف اور اس کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا اور ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اس علم میں بھی قاصر ہیں جس کے وہ محتاج ہیں اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا کہ وہ ان کے سوال کا یہ جواب دیں۔ ﴿قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾ ”کہہ دیجئے! روح میرے رب کے امر سے ہے“ یعنی من جملہ مخلوقات سے ہے جن کے بارے میں میرے رب نے حکم دیا کہ ”ہو جاؤ“ اور وہ وجود میں آ گئیں لہذا ان کے بارے میں سوال کرنا تمہارے لئے کوئی زیادہ فائدہ مند نہیں جبکہ ان کے علاوہ دیگر امور میں بھی تمہارا علم معدوم ہے۔ اس آیت مقدسہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ جب مسئلہ سے کسی معاملے میں سوال کیا جائے تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ (لا یعنی) سوال کا جواب دینے سے گریز کرے جو مسائل نے پوچھا ہے اور اس امر میں اس کی راہنمائی کرے جس کا وہ محتاج ہے اور جو اس کے لئے فائدہ مند ہے۔

وَلَكِن شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ

اور ابلتہ اگر ہم چاہیں تو یقیناً جائیں اس چیز (قرآن) کو جو وحی کیا ہم نے آپ کی طرف، پھر نہ پائیں گے آپ اپنے لئے اس (قرآن کے لانے) پر



عَلَيْنَا وَكَيْلًا ۝ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ إِن فَضَّلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ۝

ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی ۝ مگر مہربانی سے آپ کے رب کی، بلاشبہ فضل اس کا ہے آپ پر بہت بڑا ۝ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن اور وحی جسے اس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کیا ہے وہ آپ پر اور بندوں پر رحمت اور احسان ہے قرآن اور وحی علی الاطلاق رسول اللہ ﷺ کے لئے سب سے بڑی نعمت ہے کیونکہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ فضل و کرم ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا..... پس جس ہستی نے آپ پر یہ فضل و کرم کیا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ اسے واپس لے لے پھر آپ کوئی ایسی ہستی نہیں پائیں گے جو یہ فضل و کرم واپس لاسکے اور آپ کو کوئی ایسا وکیل اور کارساز نہیں ملے گا جو اللہ کے حضور اس بارے میں بات کر سکے۔ پس آپ کو اس بارے میں خوش ہونا چاہیے اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی دہنی چائیں اور تکذیب کرنے والوں کی تکذیب اور گمراہوں کا استہزاء و تمسخر آپ کو غم زدہ نہ کرے۔ اس لئے کہ لوگوں کے سامنے جلیل ترین نعمت پیش کی گئی انہوں نے اسے ٹھکرایا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت حقیر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا ہے۔

قُلْ لِّیْنَ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِثَبَلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا

کہہ دیجئے! البتہ اگر جمع ہو جائیں (تمام) انسان اور جن اوپر اس بات کے کہ (بنالائیں وہ مثل اس قرآن کے تو نہ

یَأْتُونَ بِثَبَلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝

لا سکیں گے وہ مثل اس کے اگرچہ ہو ان کا بعض، بعض کا مددگار ہی ۝

یہ اس بات کی قطعی دلیل اور واضح برہان ہے کہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں وہ صحیح اور صداقت پر مبنی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام جنوں اور انسانوں کو معارضے کی دعوت دی ہے کہ وہ اس جیسا قرآن بنالائیں اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کو آگاہ بھی فرمادیا کہ وہ اس جیسا قرآن نہیں لاسکتے۔ خواہ وہ ایک دوسرے کی مدد ہی کیوں نہ کر لیں۔ یہ سب کچھ اسی طرح واقع ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی۔ جھٹلانے والوں کی بہت زیادہ خواہش تھی کہ وہ کسی طریقے سے اس دعوت کو جھوٹا ثابت کریں جسے رسول اللہ ﷺ لے کر آئے اور وہ لغت عرب کے ماہر اور فصاحت و بلاغت کے مالک تھے۔ اگر ان میں اس دعوت کا مقابلہ کرنے کی ذرا سی بھی اہلیت ہوتی تو وہ ضرور اس کا مقابلہ کرتے۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ انہوں نے طوعاً و کرہاً اس بارے میں اپنی بے بسی کو تسلیم کر لیا اور قرآن کے معارضے سے عاجز آ گئے..... اور وہ مخلوق جو مٹی سے پیدا کی گئی جو ہر پہلو سے ناقص ہے جو علم قدرت ارادہ اور مشیت سے محروم ہے اس کا کلام اور کمال اس کے رب کا عطا کردہ ہے رب کائنات کے کلام کا کس طرح مقابلہ کر سکتی ہے جو تمام بھید کو جاننے والا ہے جو کمال مطلق، حمد مطلق اور مجد عظیم کا مالک ہے وہ ایسی ہستی ہے کہ اگر سات سمندروں کو روشنائی اور تمام درختوں کے قلم بنادیے جائیں تو تمام روشنائی ختم ہو جائے گی

اور قلم فنا ہو جائیں گے مگر اللہ تعالیٰ کے کلمات کبھی ختم نہ ہوں گے۔

پس جیسے اللہ تعالیٰ کی صفات میں اس کی مخلوق میں سے کوئی اس کے مماثل نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کلام بھی..... جو کہ اس کی صفت ہے..... بے مثل ہے۔ اس کی ذات اس کے اسماء اس کی صفات اور اس کے افعال میں کوئی چیز اس کی مثل نہیں۔ تب ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو مخلوق کے کلام کو خالق کے کلام کے مشابہ قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ محمد (ﷺ) نے اسے اپنے دل سے گھڑ کر اللہ تعالیٰ پر افتر اپر دازی کی ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَأَبَى أَكْثَرُ النَّاسِ

اور البتہ تحقیق پھر پھر کر بیان کی ہے ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر ایک مثال، پس انکار کیا اکثر لوگوں نے

إِلَّا كُفُورًا ۙ (۸۹) وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ۙ أَوْ

مگر کفر کرنے سے (نہیں) اور کہا انہوں نے، ہرگز نہیں ایمان لائیں گے ہم تجھ پر، یہاں تک کہ جاری کرے تو ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ یا

تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّحِيلٍ ۚ وَعَنْبٍ فَتَفْجُرَ الْأَنْهَارَ خِلَلَهَا تَفْجِيرًا ۙ أَوْ تُسْقِطَ

ہو واسطے تیرے ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا، پھر جاری کر دے تو نہریں اس (باغ) کے درمیان (جگہ جگہ) جاری کرنا یا گرا دے تو

السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسْفًا أَوْ تَأْتِي بَالَهُ الْمَلِكَةُ قَبِيلًا ۙ أَوْ يَكُونَ

آسمان، جیسا کہ دعویٰ کرتا ہے تو، ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے، یا لے آ تو اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے یا ہو

لَكَ بَيْتٌ مِّنْ ذُرْئِ أَوْ تَرْقَى فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقَيْتِكَ حَتَّى تُنْزِلَ

تیرے لئے ایک گھر سونے کا، یا چڑھ جا تو آسمان میں، اور ہرگز نہیں مانیں گے ہم تیرے چڑھ جانے کو، یہاں تک کہ اتار لائے تو

عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرُؤُكَ ۚ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ۚ وَمَا مَنَعَ

ہم پر ایک کتاب کہ ہم پڑھیں اسے، آپ کہہ دیجئے! پاک ہے میرا رب، نہیں ہوں میں مگر صرف ایک بشر (اور) رسول اور نہیں منع کیا

النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَّسُولًا ۙ (۹۰)

لوگوں کو (اس سے) کہ ایمان لائیں وہ، جب آگئی اسکے پاس ہدایت ہمراہ بات نے کہ انہوں نے کہا، کیا بھیجا ہے اللہ نے ایک بشر کو رسول (بنا کر)؟

قُلْ لَوْ كَانِ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَّمْشُونَ مُطْبِعِينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ

کہہ دیجئے! اگر ہوتے زمین میں فرشتے، وہ چلتے (پھرتے) طبعتان سے تو البتہ نازل کرتے ہم ان پر آسمان سے

مَلَكًا رَّسُولًا ۙ (۹۱) قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ

کوئی فرشتہ ہی رسول (بنا کر) کہہ دیجئے! کافی ہے اللہ گواہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان،

إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۙ (۹۲)

بے شک وہ ہے اپنے بندوں سے خوب خبردار، خوب دیکھنے والا



اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ ”اور ہم نے پھیر پھیر کر بیان کی واسطے لوگوں کے اس قرآن میں ہر مثال“، یعنی ہم نے اس میں مختلف انواع کے مواظظ اور مثالیں بیان کی ہیں اور ان معانی و مضامین کو بار بار دہرایا ہے لوگ جن کے ضرورت مند ہیں تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اور تقویٰ اختیار کریں مگر ان میں سے بہت کم لوگوں نے نصیحت پکڑی ہے سوائے ان لوگوں کے جن کے بارے میں پہلے ہی سے سعادت کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق کے ذریعے سے ان کی اعانت فرمائی مگر اکثر لوگوں نے اس نعمت کی ناقدری کی جو تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے اور انہوں نے اپنی خواہشات کے مطابق معجزات و آیات کا مطالبہ کر کے تعنت کا مظاہرہ کیا اور وہ اپنے نفس کی طرف سے جو ظالم اور جاہل ہے آیات گھڑتے ہیں۔ پس وہ رسول اللہ ﷺ سے جو یہ قرآن لے کر مبعوث ہوئے ہیں جو ہر قسم کی دلیل اور برہان پر مشتمل ہے کہتے ہیں: ﴿لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا﴾ ”ہم ہرگز تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ تو جاری کر دے ہمارے واسطے زمین سے ایک چشمہ“، یعنی بہتی ہوئی نہریں جاری کر دے۔

﴿أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَعِنَبٍ﴾ ”یا ہو تیرے واسطے ایک باغ کھجور اور انگور کا“، جن کی مدد سے تو بازاروں میں چلنے پھرنے اور آجانے سے مستغنی ہو جائے۔ ﴿أَوْ تُسْقَطَ السَّمَاءُ كَمَا زَعَمَتْ عَلَيْنَا كِسْفًا﴾ ”یا گرا دے ہم پر آسمان جیسا کہ تو کہا کرتا ہے ٹکڑے ٹکڑے کر کے“، یعنی عذاب سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ﴿أَوْ تَأْتِي بَالَهُ الْمَلِكَةُ قَبِيلًا﴾ ”یا لے آ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے“، یعنی تمام فرشتے یا دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمام فرشتے رو برو آ جائیں اور وہ تیری نبوت کی گواہی دیں۔ ﴿أَوْ يَكُونُ لَكَ بَيْتٌ مِنْ ذُخْرِ﴾ ”یا ہو تیرے واسطے گھر سنہرا“، یعنی سونے وغیرہ سے منقش اور آراستہ ﴿أَوْ تَرْفَى فِي السَّمَاءِ﴾ ”یا تو آسمان پر چڑھ جا“، یعنی حسی طور پر آسمان پر چڑھ جائے۔ ﴿و﴾ ”اور“ اس کے باوجود ﴿لَنْ نُؤْمِنَ لِرَبِّكَ حَتَّى تُنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرُؤُهُ﴾ ”ہم نہیں مانیں گے تیرے چڑھ جانے کو یہاں تک کہ لائے تو ہمارے پاس کتاب جسے ہم پڑھیں“ چونکہ یہ کلام محض تعنت اور رسول کو بے بس کرنے کی خواہش اور داعیہ ہے یہ احمق ترین اور ظالم ترین لوگوں کا کلام ہے جو حق کو ٹھکرا دینے کو متضمن ہے، نیز یہ اللہ تعالیٰ کے حضور بے ادبی اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بے بنیاد دعویٰ ہے کہ آپ یہ آیات خود تصنیف کرتے ہیں..... اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ اللہ کی تنزیہ بیان کریں۔ ﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي﴾ ”کہہ دیجئے! پاک ہے میرا رب“، یعنی جو کچھ تم اللہ کے بارے میں کہتے ہو وہ اس سے بہت بلند اور بالاتر ہے۔ اس کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کے احکام اور آیات ان کی خواہشات نفس اور گمراہ آراء و نظریات کے تابع ہوں۔ ﴿هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا﴾ ”میں نہیں ہوں مگر ایک آدمی بھیجا ہوا“، میرے ہاتھ میں کچھ بھی اختیار نہیں..... یہی وہ سبب ہے جس کی بنا پر اکثر لوگ ایمان نہ لائے کیونکہ ان کی

طرف جو رسول اور نبی مبعوث کئے گئے وہ سب انہی کی جنس میں سے تھے یعنی وہ سب بشر تھے۔

یہ ان پر اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت ہے کہ اس نے ان کی طرف انسانوں کو رسول بنا کر بھیجا کیوں کہ وہ فرشتوں سے بلا واسطہ احکام وصول کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، اس لئے فرمایا: ﴿قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يُمْشُونَ مُطَهِّينِينَ﴾ ”کہہ دیجئے! اگر ہوتے زمین میں فرشتے پھرتے، بٹے،“ یعنی اگر وہ فرشتوں کو دیکھ لینے اور ان سے احکام اخذ کرنے کی طاقت رکھتے ہوتے ﴿لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا زُجُورًا﴾ ”تو اتارتے ہم ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ پیغام دے کر۔“ ﴿قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا﴾ ”کہہ دیجئے اللہ کافی ہے بطور گواہ میرے اور تمہارے درمیان بے شک وہ ہے اپنے بندوں سے خبردار دیکھنے والا۔“ اللہ تعالیٰ کی اپنے رسول کے لئے گواہی یہ ہے کہ اس نے آیات اور معجزات کے ذریعے سے اس کی تائید کی اور ان لوگوں کے خلاف آپ کو فتح و نصرت سے نوازا جنہوں نے آپ سے عداوت کی۔ اگر آپ نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہوتا تو اللہ تعالیٰ آپ کو دائیں ہاتھ سے پکڑ کر آپ کی رگ جاں کاٹ دیتا۔ اللہ تعالیٰ باخبر اور دیکھنے والا ہے اور بندوں کے احوال میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔

وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضِلِّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِهِ

اور جس کو ہدایت دے اللہ، پس وہی ہے ہدایت پانے والا، اور جسے وہ گمراہ کرے تو ہرگز نہیں پائیں گے آپ ان کیلئے کوئی دوست سوائے اس (اللہ) کے،

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُبْيًا وَبُكْمًا وَصُبْحًا مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ

اور ہم اکٹھا کریں گے انکو دن قیامت کے انکے منہ کے بل اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوئے ٹھکانا انکا جہنم ہے،

كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا ۝ ذَٰلِكَ جَزَاءُ هُم بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَقَالُوا ءَإِذَا

جب وہ بجھنے لگی تو زیادہ کر دیں گے ہم ان کیلئے آگ کا بھڑکانا ۝ یہ جزا ہے انکی بوجھلکے کہ بیشک انہوں نے کفر کیا ساتھ ہماری آیتوں کے، اور کہا، کیا جب

كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا ءَإِنَّا لَبَعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ

ہو جائیں گے ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ تو کیا بلاشبہ ہم الہیت دوبارہ اٹھائے جائیں گے پیدا کر کے نئے سرے سے؟ ۝ کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ بیشک اللہ

الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ أَجَلًا

جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو، قادر ہے اوپر اسکے کہ وہ پیدا کرے مثل انکی، اور مقرر کیا اس نے ان کیلئے ایک وقت (معین)، کہ،

لَا رَيْبَ فِيهِ ۖ فَبِإِي ظَالِمُونَ إِلَّا كَفُورًا ۝ قُلْ لَّوْ أَنْتُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ

نہیں شک اس میں، پس انکار کیا ظالموں نے، مگر کفر کرنے سے (نہیں) ۝ کہہ دیجئے! اگر تم اختیار رکھتے خزانوں کا رحمت کے

رَبِّي إِذَا لَأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ ۖ وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُورًا ۝

میرے رب کی، تو اس وقت ضرور روک لیتے تم (ان کو) خرچ ہو جانے کے ڈر سے، اور ہے انسان نہایت ہی بخیل ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ ہدایت اور گمراہی صرف اسی کے قبضہ و قدرت میں ہے وہ جسے ہدایت



سے نوازنا چاہتا ہے تو اسے آسان راہیں میسر کر دیتا ہے اور اس کو تنگی سے بچا لیتا ہے اور وہی درحقیقت ہدایت یافتہ ہے اور جسے گمراہ کرتا ہے اسے اس کے نفس کے حوالے کر کے اس سے الگ ہو جاتا ہے تب اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کوئی راہ نہیں دکھا سکتا اور ان کا اس روز کوئی حمایتی نہیں ہوگا جو ان کی اللہ کے عذاب کے مقابلے میں مدد کر سکے جب اللہ تبارک و تعالیٰ ان کو ان کے چہروں کے بل نہایت رسوائی کی حالت میں اندھے اور گونگے بنا کر اکٹھے کرے گا وہ دیکھ سکیں گے نہ بول سکیں گے۔ ﴿مَّا لَهُمْ﴾ ان کا ٹھکانا، یعنی ان کی جائے قرار اور ان کا گھر ﴿جَهَنَّمُ﴾ ”جہنم ہے“ جہاں ہر قسم کا حزن و غم اور عذاب جمع ہے۔ ﴿كُلَّمَا خَبَتْ﴾ ”جب وہ بجھنے لگے گی“ ﴿زِدْنَهُمْ سَعِيرًا﴾ ”تو ہم ان پر اس آگ کو اور بھڑکا دیں گے۔“ عذاب ان پر سے منقطع نہ ہوگا۔ ان کو موت آئے گی نہ ان کے عذاب میں کوئی تخفیف ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بات کی جزادی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا کرتے تھے اور قیامت کے روز پر ایمان نہیں رکھتے تھے جس کے بارے میں تمام انبیاء و رسل نے آگاہ فرمایا اور تمام آسمانی کتابوں نے اس کے برپا ہونے کا اعلان کیا۔ انہوں نے اپنے رب کو عاجز قرار دے کر اس کی قدرت کا ملہ کا انکار کر دیا۔

﴿وَقَالُوا إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا إِنَّا لَنَبْعُوْهُنَّ خُلُقًا جَدِيْدًا﴾ (بنی اسرائیل: ۷۹/۸۷) ”اور انہوں نے کہا جب ہم ہو گئے ہڈیاں اور چورا چورا کیا ہم اٹھائے جائیں گے نئے بنا کر“ یعنی یہ ہو ہی نہیں سکتا۔۔۔۔۔ وہ یہ بات اس لئے کہتے تھے کہ ان کی فاسد عقل کے مطابق ایسا ہونا بہت بعید تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ ”کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے آسمان اور زمین بنائے“ جو کہ انسانوں کی تخلیق سے زیادہ مشکل امر ہے۔ ﴿قَادِرٌ عَلٰی اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ﴾ ”وہ قادر ہے کہ پیدا کرے ان جیسوں کو“ کیوں نہیں! بے شک اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر قادر ہے ﴿وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ ”اور اس نے ان کے لئے ایک مدت مقرر کر دی ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں“ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس گھڑی کو اچانک لے آئے اور اس بات کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی بعد موت پر دلائل و براہین قائم کر دیئے ہیں۔ ﴿فَاَنَّى الظَّالِمُوْنَ اِلَّا لُفُوْرًا﴾ ”پھر بھی نہیں رہا جاتا ظالموں سے ناشکری کیے بغیر“ ظلم کرتے اور افترا کرتے ہوئے۔

﴿قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَاۤئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْ﴾ ”کہہ دیجئے! اگر تمہارے ہاتھ میں ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانے“ جو کبھی ختم ہوتے ہیں نہ تباہ ہوتے ہیں ﴿اِذَا لَمْ تَسْكُنُوْا خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ﴾ ”تو تم ضرور بند کر رکھتے“ اس ڈر سے کہ خرچ نہ ہو جائے، یعنی اس خوف سے کہ جو کچھ خرچ کرتے ہو کہیں ختم نہ ہو جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں کا ختم ہونا محال ہے مگر بخل اور کنجوسی انسان کی جبلت میں رکھ دیئے گئے ہیں۔

وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰى تِسْعَ اٰیٰتٍ بَيِّنٰتٍ فَمَنْ اِسْرَآءِيلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهُ

اور البتہ تحقیق دیئے تھے ہم نے موسیٰ کو نو معجزے واضح پس پوچھ لیجئے آپ بنی اسرائیل سے جب آیا وہ (موسیٰ) انکے پاس تو کہا اس سے

فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يُمُوسَىٰ مَسْحُورًا ﴿١٤١﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنزَلَ هَؤُلَاءِ إِلَّا  
 رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِصَآئِرٍ ۖ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يَفِرْعَوْنُ مَثْبُورًا ﴿١٤٢﴾ فَارَادَ  
 رَبُّنَا أَن نَّسْتَفْزَهُمْ مِّنَ الْأَرْضِ فَأَغْرَقْنَاهُ وَمَنْ مَّعَهُ جَمِيعًا ﴿١٤٣﴾ وَقُلْنَا مَنِ بَعْدَهُ  
 يَكِيدُ كَيْدًا ۖ فَمِنْ أَمْرٍ أَلَّا يَكُونُ لَكَ مَلَكٌ مِّنَ الْأَرْضِ يَكُونُ أَعْيُنُ النَّاسِ عَلَىٰ عَرْسِ الْمَلِكِ لَا يَرَوْنَ الْمَلَكَ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ فَلْيَمْلِكْ بِأَمْرِ الْفِرْعَوْنَ  
 لِيَبْنِيَ إِسْرَآئِيلَ أَكُنُوا الْأَرْضِ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا ﴿١٤٤﴾  
 بنی اسرائیل سے رہو تم اس زمین میں، پھر جب آئے گا وعدہ آخرت کا تو لے آئیں گے ہم تم (سب) کو با ہم اکٹھا ○

یعنی اے رسول! کہ جس کی آیات و معجزات کے ذریعے سے تائید کی گئی ہے..... آپ پہلے رسول نہیں ہیں  
 جس کی لوگوں نے تکذیب کی ہم نے آپ ﷺ سے پہلے موسیٰ بن عمران (علیہ السلام) کو رسول بنا کر فرعون اور اس کی  
 قوم کی طرف مبعوث کیا، ہم نے انہیں عطا کیے ﴿تَسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ﴾ ”نو معجزات“ جو شخص حق کا قصد رکھتا ہے اس  
 کے لئے ان میں ایک ہی معجزہ کافی ہے..... جیسے اژدہا، عصا، طوفان، نڈی، دل جوئیں، مینڈک، خون، ید بیضا  
 اور سمندر کا پھٹ جانا۔ اگر آپ کو اس بارے میں کوئی شک ہے ﴿فَسَأَلْ بَنِي إِسْرَآئِيلَ إِذْ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ  
 فِرْعَوْنُ﴾ ”تو آپ بنی اسرائیل سے پوچھ لیں جب آئے موسیٰ ان کے پاس تو (ان معجزات کے باوجود) فرعون  
 نے کہا: ﴿إِنِّي لَأَظُنُّكَ يُمُوسَىٰ مَسْحُورًا﴾ ”اے موسیٰ! میں سمجھتا ہوں تجھ پر ضرور جادو کر دیا گیا ہے۔“ ﴿قَالَ﴾  
 موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے فرعون! ﴿لَقَدْ عَلِمْتَ﴾ ”تجھے علم ہے“ ﴿مَا أَنزَلَ هَؤُلَاءِ﴾ ”نہیں نازل کیا ان  
 معجزات کو“ ﴿إِلَّا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِصَآئِرٍ﴾ ”مگر آسمان و زمین کے رب نے سمجھانے کو“ اپنی طرف سے  
 بندوں کے لئے۔ پس تیرا یہ قول حقیقت پر مبنی نہیں۔ تیرا یہ قول اپنی قوم میں ابہام پیدا کرنے اور حق و صواب کی راہ  
 سے ہٹانے کے لئے ہے۔ ﴿وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يَفِرْعَوْنُ مَثْبُورًا﴾ ”اے فرعون! میں خیال کرتا ہوں کہ تو ہلاک ہو  
 جائے گا۔“ یعنی اے فرعون! میں سمجھتا ہوں کہ تو سخت مغفوس، مذموم، دھتکارا ہوا اور اللہ کے عذاب میں پھینکا  
 جانے والا ہے۔ ﴿فَارَادَ﴾ ”پس فرعون نے ارادہ کیا“ ﴿أَن يَسْتَفْزَهُم مِّنَ الْأَرْضِ﴾ ”کہ وہ ان کو اس زمین (مصر)  
 سے نکال دے۔“ یعنی بنی اسرائیل کو سرزمین مصر سے نکال کر جلاوطن کر دے ﴿فَأَغْرَقْنَاهُ وَمَنْ مَّعَهُ جَمِيعًا﴾ ”پس  
 ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو سب کو غرق کر دیا“ اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو ان کی زمینوں اور  
 گھروں کا وارث بنا دیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَقُلْنَا مَنِ بَعْدَهُ لِيَبْنِيَ إِسْرَآئِيلَ أَكُنُوا الْأَرْضِ فَإِذَا جَاءَ  
 وَعْدُ الْآخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا﴾ ”اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا، رہو تم زمین میں، پس جب آخرت کا وعدہ



آئے گا، تو ہم تم سب کو سمیٹ کر لے آئیں گے، یعنی تم سب کو لے کر آئیں گے اور پھر ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کی جزا دیں گے۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝۱۵

اور ساتھ حق کے نازل کیا ہے ہم نے اسکو، اور ساتھ حق کے وہ نازل ہوا، اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر خوشخبری دینے اور ڈرانے والا ○

یعنی ہم نے اس قرآن کو حق کے ساتھ اپنے بندوں کے لئے امر و نہی اور ان کے عذاب و عقاب کی خاطر نازل کیا ہے ﴿وَبِالْحَقِّ نَزَلَ﴾ اور حق کے ساتھ اترنا، یعنی یہ قرآن صدق و عدل اور شیطان مردود کے ہر وسوسہ سے محفوظ نازل ہوا ہے ﴿وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا مُبَشِّرًا﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر خوشخبری دینے والا بنا کر، یعنی ان لوگوں کو دنیاوی اور اخروی ثواب کی خوشخبری دینے کے لئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ﴿وَنَذِيرًا﴾ اور ڈرانے والا، یعنی انہیں دنیاوی اور اخروی عذاب سے ڈرانے کے لئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اس سے ان امور کا بیان لازم آتا ہے جو تبشیر و انداز پرہنی ہیں۔

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ۝۱۶ قُلْ اٰمِنُوْا

اور قرآن (جدید) نازل کیا ہم نے اسکو تاکہ آپ پڑھیں اسکو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر، اور اتارنا ہم نے اسے تارنا (تھوڑا تھوڑا) ○ کہہ دیجئے ایمان لاؤ تم

بِهٖٓ اَوْ لَا تُوْمِنُوْا اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ

ساتھ اس کے یا نہ ایمان لاؤ، بے شک وہ لوگ جو دیئے گئے علم پہلے اس سے، جب پڑھا جاتا ہے ان پر تو وہ گر پڑتے ہیں

لِلَّذٰٓقٰنِ سُبْحٰنًا ۝۱۷ وَيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَا اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝۱۸

ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے ○ اور وہ کہتے ہیں، پاک ہے ہمارا رب، بلاشبہ ہے وعدہ ہمارے رب کا (پورا) کیا ہوا ○

وَيَخِرُّوْنَ لِلَّذٰٓقٰنِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ حُشُوْعًا ۝۱۹

اور وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے، اور زیادہ کرتا ہے (قرآن) ان کو گڑ گڑانے میں ○

یعنی ہم نے اس قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کیا ہے جو ہدایت اور گمراہی حق اور باطل کے درمیان تفریق کرتا ہے ﴿لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ﴾ تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں، تاکہ وہ اس کے معانی میں تدبر کریں اور اس میں سے اس کے مختلف علوم کا استخراج کریں۔ ﴿وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا﴾ اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا ہے۔ یعنی اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے ٹکڑوں میں تیس (۲۳) سال کے عرصہ میں نازل کیا ہے۔ ﴿وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمِثْلِ الْاٰجُنَّتِكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا﴾ (الفرقان: ۳۲/۲۵) اور وہ جب کبھی آپ کے پاس کوئی پیچیدہ بات لے کر آئے تو ہم نے حق کے ساتھ اس کا جواب دے دیا اور بہترین طریقے سے بات کو کھول دیا۔ پس جب حق واضح ہو جائے جس میں کسی بھی پہلو سے کوئی شک و شبہ نہیں ﴿قُلْ﴾ تو ان

لوگوں سے کہہ دیجئے جنہوں نے حق کو جھٹلایا اور اس سے منہ موڑا ﴿اٰمِنُوْا بِهٖ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا﴾ ”تم اس کے ساتھ ایمان لاؤ یا نہ لاؤ“ اللہ تعالیٰ کو تمہاری کوئی حاجت نہیں اور تم اللہ تعالیٰ کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اس تکذیب کا نقصان تمہیں ہی پہنچے گا کیونکہ تمہارے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اور بھی بندے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے علم نافع عطا کیا ہے۔ ﴿اِذَا يُنَالِ عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلاَذْقَانِ سَجْدًا﴾ ”جب پڑھا جاتا ہے ان پر تو وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں پر سجدہ کرتے ہوئے“ یعنی اس سے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور اس کے سامنے نہایت عاجزی سے سراقلندہ ہوتے ہیں۔

﴿وَيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَا﴾ ”اور کہتے ہیں پاک ہے ہمارا رب“ وہ ان تمام صفات سے پاک اور منزہ ہے جو اس کے جلال کے لائق نہیں اور جو مشرکین نے ان کی طرف منسوب کر رکھی ہیں ﴿اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا﴾ ”اور بے شک ہمارے رب کا وعدہ“ یعنی اس نے زندگی بعد موت اور اعمال کی جزا کا جو وعدہ کر رکھا ہے۔ ﴿لَمَفْعُوْلًا﴾ ”ہونے والا ہے“ اس میں کوئی وعدہ خلافی ہے نہ اس میں کوئی شک ہے۔ ﴿وَيَخِرُّوْنَ لِلاَذْقَانِ﴾ ”اور گرتے ہیں وہ ٹھوڑیوں پر“ یعنی منہ کے بل ﴿يَبْكُوْنَ وَيَزِيدُهُمْ﴾ ”روتے ہوئے اور زیادہ کرتا ہے ان کو“ یعنی قرآن ﴿خُشُوْعًا﴾ ”خشوع خضوع میں“ یہ اہل کتاب کے ان مومنین کی مانند ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا اور وہ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں اور اس کے بعد ایمان لائے۔

قُلْ اَدْعُوا اللّٰهَ اَوْ اَدْعُوا الرَّحْمٰنَ ۖ اَيَّامًا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی وَلَا  
کہہ دیجئے! پکارو تم اللہ یا پکارو تم رحمن (کہہ کر) جس (نام) کے ساتھ پکارو تم، سو اسی کیلئے ہیں (سب) نام بہت اچھے، اور تم  
تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُتْ بِهَا وَابْتَغْ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝۱۱ وَقُلْ الْحَمْدُ  
بلند آواز کریں ساتھ اپنی نماز کے، اور نہ بہت آہستہ (کریں آواز) ساتھ اس کے، اور تلاش کریں درمیان اسکے راستہ ۝ اور کہہ دیجئے! حمد  
لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ  
اللہ ہی کے لیے ہے، وہ جس نے نہیں بنائی کوئی اولاد، اور نہیں ہے اس کا کوئی شریک بادشاہی میں، اور نہیں ہے اس کا  
وَلِیُّ مِّنَ الدُّنْيَا وَكَبِیْرُهُ تَكْبِيْرًا ۝۱۲

کوئی حمایتی بوجہ ذلت (کمزوری) کے، اور بڑائی بیان کیجئے اس (اللہ) کی خوب بڑائی بیان کرنا ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتا ہے: ﴿اَدْعُوا اللّٰهَ اَوْ اَدْعُوا الرَّحْمٰنَ﴾ ”تم پکارو اللہ کو یا پکارو رحمن کو“ یعنی ان دونوں ناموں میں سے چاہے جس نام سے پکارو ﴿اَيَّامًا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی﴾ ”جو کہہ کر پکارو گے“ پس اسی کے ہیں سب نام اچھے، یعنی اس کا کوئی اسم مبارک ایسا نہیں جو اچھا نہ ہو اور اس کو اس نام سے پکارنے سے روکا گیا ہو۔ تم جس نام سے بھی اسے پکارو گے اس سے مقصد حاصل ہو جائے گا۔ مگر مناسب یہی



ہے کہ اسے ہر مطلوب کی مناسبت سے، مطلوب کے مطابق نام سے پکارا جائے۔ ﴿وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ﴾ اور پکار کر نہ پڑھیں اپنی نماز، یعنی بہت بلند آواز سے قراءت نہ کیجئے ﴿وَلَا تَخَافُ يَهَا﴾ اور نہ چپکے سے پڑھیں، یعنی ان دونوں امور سے بچا جانا چاہیے۔ زیادہ بلند آواز میں قراءت سے اس لئے روکا گیا ہے کہ مشرکین قرآن مجید سن کر برا بھلا کہیں گے اور قرآن لانے والے کو سب و شتم کا نشانہ بنائیں گے اور بہت نیچی آواز میں قرآن پڑھنے سے اس شخص کا مقصد پورا نہ ہو سکے گا جو وحی آواز میں قرآن سننا چاہتا ہے۔ ﴿وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾ اور ڈھونڈ لیں اس کے درمیان راستہ، یعنی بہت زیادہ بلند آواز اور بہت زیادہ پست آواز کے بین بین اور ان دونوں کے درمیان متوسط راہ اختیار کیجئے۔

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ اور کہہ دیجئے! تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے، جو ہر لحاظ سے کمال، مدح و ثنا اور حمد و مجد کا مالک اور ہر آفت اور نقص سے پاک ہے۔ ﴿الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ﴾ جو نہیں رکھتا اولاد اور نہیں اس کا کوئی شریک بادشاہی میں، بلکہ تمام تراقدا رکھا مالک اللہ واحد و قہار ہے، تمام عالم علوی اور عالم سفلی کے رہنے والے سب اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذَّلٰلِ﴾ اور نہیں ہے اس کا کوئی مددگار عاجزی کے وقت، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کو اپنا سرپرست نہیں بناتا کہ وہ اس کے تعاون کے ذریعے سے عزت و غلبہ حاصل کرے۔ پس وہ بے نیاز اور قابل ستائش ہے، وہ زمین اور آسمانوں میں اپنی مخلوق میں سے کسی کا محتاج نہیں۔ مگر وہ اپنے بندوں پر احسان کرتے اور ان کو اپنی رحمت سے ڈھانپتے ہوئے ان کو اپنا دوست بناتا ہے چنانچہ فرمایا: ﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ﴾ (البقرة: ۲۵۷/۲) ”جو لوگ ایمان لائے اللہ ان کا دوست ہے جو انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔“ ﴿وَكَبِيرَةٌ تَلَكِّبُهَا﴾ اور اس کی بڑائی بیان کر بڑا جان کر، یعنی اس کے عظیم اوصاف کے بارے میں خبر دے کر، اس کے اسماء حسنی کے ذریعے سے حمد و ثنا کے ساتھ اس کے افعال مقدسہ کے ذریعے سے ستائش کے ساتھ، صرف اس کے لئے عبادت کے ذریعے سے اس کی عظمت و جلال بیان کرتے ہوئے اس کی تعظیم و جلال کا اعتراف کیجئے، اس کا کوئی شریک نہیں اور اخلاص دین صرف اسی کے لئے ہے۔

### تَفْسِيرُ سُورَةِ الْكَافِي

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا ۖ قَيِّمًا  
تمام تعریف اللہ ہی کیلئے ہے جس نے نازل کی اپنے بندے پر کتاب، اور نہیں رکھی اس میں کوئی کجی ۝ اس حال میں کہ وہ سیدھی ہے،

لَيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِّن لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ  
 تَاكُورَ اے وہ عذاب سخت ہے، اس (اللہ) کی طرف سے، اور (تاکہ) وہ خوشخبری دے مومنوں کو، وہ لوگ جو عمل کرتے ہیں نیک،  
 اَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا ۝۶ مَا كَثِيرٌ فِيهِ اَبَدًا ۝۷ وَيُنْذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ  
 اللّٰهُ وَلَدًا ۝۸ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِابَائِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ  
 اللہ نے اولاد ۝ نہیں ہے انکو ساتھ اس (دعوئی) کے کوئی علم، اور نہ انکے باپ دادا ہی کو، بڑی ہی خطرناک بات ہے جو نکلتی ہے  
 مِّنْ أَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَقُولُونَ اِلَّا كَذِبًا ۝۹ فَلَعَلَّكَ باخِعٌ نَّفْسَكَ  
 ان کے مومنوں سے، نہیں کہتے وہ، مگر جھوٹ ہی ۝ پس شاید کہ آپ ہلاک کرنے والے ہیں اپنے آپ کو

عَلَىٰ أَثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهٰذَا الْحَدِيثِ اَسْفًا ۝۱۰

پیچھے ان کے، اگر نہ ایمان لائیں وہ ساتھ اس بات (قرآن) کے، غم کے مارے ۝

حمد سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفات کے ذریعے سے جو کہ صفت کمال ہیں نیز اللہ تعالیٰ کی ظاہری و باطنی اور دینی و  
 دنیاوی نعمتوں کے اظہار و اعتراف کے ذریعے سے اس کی ثنائیاں کرنا..... اور علی الاطلاق اللہ تعالیٰ کی جلیل ترین  
 نعمت اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر قرآن نازل کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خود اپنی حمد بیان کی اور اس ضمن میں بندوں کے لئے اس امر کی طرف راہنمائی ہے کہ وہ اس  
 بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنائیاں کریں کہ اس نے ان کی طرف اپنا رسول بھیجا اور کتاب نازل کی پھر اللہ تعالیٰ نے  
 اس کتاب کی دو خوبیاں بیان فرمائیں جو اس بات پر مشتمل ہیں کہ یہ کتاب ہر لحاظ سے کامل ہے۔ یہ دو صفات  
 مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) اس کتاب عظیم سے کجی کی نفی۔

(۲) اس بات کا اثبات کہ یہ کتاب کجی دور کرنے والی اور راہ راست پر مشتمل ہے۔

کجی کی نفی اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ کتاب میں کوئی جھوٹی خبر ہو نہ اس کے اوامر و انہی میں ظلم کا کوئی پہلو ہو  
 اور نہ کوئی عبث بات ہو۔

استقامت کا اثبات اس بات کا مقتضی ہے کہ یہ کتاب جلیل ترین امور کا حکم دیتی اور جلیل ترین خبروں سے  
 آگاہ کرتی ہے اور یہ وہ خبریں ہیں جو قلوب انسانی کو معرفت الہی اور ایمان و عقل سے لبریز کر دیتی ہیں مثلاً اللہ  
 تعالیٰ کے اسماء و صفات اور اس کے افعال کے بارے میں خبریں نیز گزرے ہوئے اور آئندہ آنے والے غیبی  
 معاملات کی خبریں۔ اس کتاب کی استقامت کا اثبات اس امر کا بھی تقاضا کرتا ہے کہ اس کے اوامر و انہی نفوس



انسانی کاترکیہ ان کی نشوونما اور ان کی تکمیل کرتے ہیں کیونکہ یہ اوامرو نواہی کامل عدل و انصاف، اخلاص اور اکیلے اللہ رب العالمین کے لئے عبودیت پر مشتمل ہیں۔ یہ کتاب جس کے مذکورہ بالا اوصاف بیان کئے گئے ہیں اس بات کی مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے نازل کرنے پر اپنی حمد بیان کرے اور اپنے بندے سے اپنی حمد و ستائش کا مطالبہ کرے۔

﴿لَيُنذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِّنْ لَّدُنْهُ﴾ تاکہ وہ اپنی طرف سے ڈرائے سخت عذاب سے، یعنی اس قرآن کریم کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے ہاں موجود عذاب سے ڈرائے، یعنی اس شخص کو اپنی اس قضا و قدر سے ڈرائے جو اس کے احکامات کی مخالفت کرنے والوں کے لئے ہے۔ یہ دنیاوی عذاب اور اخروی عذاب دونوں کو شامل ہے نیز یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو خوف دلایا ہے اور ان کو ان امور سے ڈرایا ہے جو ان کے لئے نقصان اور ہلاکت کا باعث ہیں۔ جیسا کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آگ کا وصف بیان کیا تو فرمایا: ﴿ذَٰلِكَ يَخَوْفُ اللّٰهُ بِهِ عِبَادُهُ يَعْٰبَدُوْهُ فَاتَّقُوْهُ﴾ (الزمر: ۱۶/۳۹) ”اللہ اس کے ذریعے سے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے اے میرے بندو! پس مجھ سے ڈرو۔“ پس یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے ان لوگوں کے لئے سخت سزائیں مقرر کر رکھی ہیں جو ان کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان سزاؤں کو ان کے سامنے بیان کر دیا اور ان اسباب کو بھی واضح کر دیا جو ان سزاؤں کے موجب ہیں۔

﴿وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ﴾ اور خوشخبری دیتے مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں“ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی تاکہ اس کے ذریعے سے نیز اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعے سے ان لوگوں کو خوشخبری سنائے جو اس کتاب پر ایمان لا کر اپنے ایمان کی تکمیل کرتے ہیں۔ پس اس نے اپنے بندوں پر نیک اعمال واجب کئے اور اس سے مراد واجبات و مستحبات پر مشتمل نیک اعمال ہیں جن میں اخلاص اور اتباع رسول جمع ہوں۔ ﴿اِنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا﴾ ”کہ ان کے لئے اچھا اجر ہے“ اس سے مراد وہ ثواب ہے جو اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح پر مترتب کیا ہے۔ سب سے بڑا اور جلیل ترین ثواب اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کا حصول ہے جس کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے تصور میں اس کا گزر ہوا ہے..... اور اس اجر کو ”حسن“ کے وصف کے ساتھ موصوف کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جنت میں کسی بھی لحاظ سے کوئی تکرار نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر اس میں کسی قسم کا تکرار پایا جائے تو یہ اجر مکمل طور پر حسن نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کہ یہ اچھا اجر ہے۔ ﴿مَا كَثُرْنَ فِيْهِ اَبَدًا﴾ ”وہ اس میں ابد الابد تک رہیں گے۔“ یہ اجر و ثواب کبھی ان سے زائل ہوگا نہ یہ اس سے دور کئے جائیں گے بلکہ ان کی یہ نعمتیں ہر وقت بڑھتی ہی رہیں گی۔ تبشیر کا ذکر تقاضا کرتا ہے کہ ان اعمال کا ذکر کیا جائے جو بشارت کے موجب ہیں اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم تمام اعمال صالحہ

پر مشتمل ہے جو اس اجر و ثواب کا سبب ہیں جس سے نفس خوش ہوں گے اور روجوں کو فرحت حاصل ہوگی۔ ﴿وَيُنذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا﴾ اور ان لوگوں کو ڈرائے جنہوں نے کہا اللہ اولاد رکھتا ہے، یعنی یہود و نصاریٰ اور مشرکین، جن کا یہ بدترین قول ہے اور ان کا یہ قول کسی علم و یقین پر مبنی نہیں ہے۔ وہ اس کے بارے میں خود کوئی علم رکھتے ہیں نہ ان کے آباؤ اجداد کے پاس کوئی علم تھا جن کی یہ تقلید کرتے ہیں، بلکہ یہ تو محض ظن و گمان اور خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں۔

﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ﴾ بڑی ہے بات جو نکلتی ہے ان کے منہوں سے، یعنی ان کی اس بات کی قباحت بہت زیادہ اور اس کی سزا بہت سخت ہے، اور اس شخص کے اس قول کی قباحت سے بڑھ کر اور کون سی قباحت ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹا منسوب کرتا ہے حالانکہ یہ نسبت اس کی ذات میں نقص اور خصائص ربوبیت والوہیت میں غیر اللہ کی شراکت اور اس پر بہتان طرازی کی مقتضی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا﴾ (الانعام: ۲۱/۶) ”اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔“ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا: ﴿إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا﴾ ”یہ لوگ محض جھوٹ بولتے ہیں“ جس میں صداقت کا ذرہ بھر شامل نہیں۔

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح بتدریج ان کے قول کا ابطال کیا ہے اور کم تر باطل چیز سے زیادہ باطل چیز کی طرف انتقال کیا ہے چنانچہ پہلے مرحلے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی۔ ﴿مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِآبَائِهِمْ﴾ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بلا علم اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بات منسوب کرنا ممنوع اور باطل ہے پھر دوسرے مرحلے میں فرمایا کہ یہ انتہائی قبیح قول ہے فرمایا: ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ﴾ پھر قباحت کے تیسرے مرتبے میں فرمایا کہ یہ محض جھوٹ ہے جو صدق کے منافی ہے۔

چونکہ نبی اکرم ﷺ خلافت کی ہدایت کی بے انتہا خواہش رکھتے تھے اور ان کی ہدایت کے لئے بے حد کوشاں رہتے تھے۔ آپ دین اسلام اختیار کرنے والے کے ہدایت قبول کرنے پر بہت خوش ہوتے تھے۔ تکذیب کرنے والے گمراہ لوگوں پر رحم و شفقت کی بنا پر متاسف اور غم زدہ ہوتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کے رویے پر افسوس اور تاسف میں مشغول نہ ہوں جو اس قرآن پر ایمان نہیں لاتے۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسًا أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ (الشعراء: ۳۲/۶) ”شاید آپ اسی غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر لیں گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔“ ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَتٍ﴾ (فاطر: ۸۱/۳۵) ”پس ان لوگوں کے غم میں آپ کی جان نہ گھلے۔“ یہاں فرمایا: ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسًا﴾ ”کیا آپ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے۔“ یعنی ان کے غم میں حالانکہ آپ کا



اجرو ثواب تو اللہ تعالیٰ پر واجب ہو چکا ہے اگر ان لوگوں کی کوئی بھلائی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتی تو وہ ضرور ان کو ہدایت سے نواز دیتا۔ مگر اسے معلوم ہے کہ یہ لوگ آگ کے سوا کسی چیز کے قابل نہیں ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا ہے اور وہ راہ راست نہ پاسکے۔ آپ کا ان کے غم اور تاسف میں اپنے آپ کو مشغول کرنا آپ کو کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

اس آیت کریمہ اور اس قسم کی دیگر آیات کریمہ میں عبرت ہے۔ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے پر مامور شخص پر تبلیغ دعوت، ان تمام اسباب کے حصول میں کوشاں رہنا جو ہدایت کی منزل پر پہنچاتے ہیں، امکان بھر گمراہی کے راستوں کو مسدود کرنا اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ پر توکل فرض ہے۔ پس اگر وہ راہ راست پر گامزن ہو جائیں تو بہتر ہے ورنہ اس کو ان کے افسوس میں گھلنا نہیں چاہیے کیونکہ یہ چیز نفس کو کمزور اور قوی کو منہدم کر دیتی ہے۔ اس میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ ایسا کرنے سے وہ مقصد فوت ہو جائے گا جس پر اسے مامور کیا گیا ہے۔ تبلیغ دعوت اور کوشش کے سوا ہر چیز اس کے اختیار سے باہر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ سے فرماتا ہے: ﴿رَأَيْكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ﴾ (القصص: ۵۶/۲۸) ”آپ اسے ہدایت نہیں دے سکتے جسے آپ چاہتے ہیں۔“ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراف کیا۔ ﴿رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَآخِي﴾ (المائدة: ۲۵/۵) ”اے میرے رب! میں اپنے آپ پر اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر کوئی اختیار نہیں رکھتا۔“ تو انبیائے کرام کے علاوہ دیگر لوگ بدرجہ اولیٰ کسی کو ہدایت دینے کا اختیار نہیں رکھتے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَذَكِّرْنَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ﴾ (الغاشیہ: ۲۱/۸۸-۲۲) ”آپ نصیحت کیجئے۔ آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں آپ ان پر کوئی دار و نمہ مقرر نہیں ہوئے۔“

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝  
بیشک ہم نے بنایا اسکو جو کچھ اوپر زمین کے ہے زینت اس کیلئے تاکہ ہم آزمائیں انہیں کہ کون ان میں سے زیادہ اچھا ہے عمل میں

وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا ۝<sup>۸</sup>

اور بلاشبہ ہم البتہ بنا ڈالنے والے ہیں اس کو جو کچھ اوپر اس (زمین) کے ہے صاف چٹیل میدان

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے روئے زمین پر پائی جانے والی ہر چیز کو لذت بھرے ماکولات و مشروبات، خوبصورت ملبوسات، اشجار و انہار، کھیتیوں، باغات، دلفریب مناظر، خوش منظر باغیچوں، سحر انگیز آوازوں، خوبصورت چہروں، سونے چاندی، اونٹوں اور گھروں، ان سب کو دنیا کی زینت، فتنہ اور آزمائش کے لئے پیدا کیا ہے۔ ﴿لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ تاکہ ہم ان کو آزمائیں کہ کون ان میں اچھے عمل کرتا ہے۔ یعنی کون زیادہ خالص اور زیادہ صحیح اعمال پیش کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ تمام چیزوں کو مضاعف

ہونے والی فانی اور زائل ہو جانے والی بنایا ہے۔ عنقریب یہ زمین بے آب و گیاہ اور بخر ہو جائے گی، اس کی تمام لذتیں ناپید ہو جائیں گی، اس کے دریا خشک ہو جائیں گے، اس کے تمام آثار مٹ جائیں گے اور اس کی نعمتیں زائل ہو جائیں گی۔ یہ ہے اس دنیا کی حقیقت، اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو ہمارے سامنے اس طرح بیان کر دیا ہے گویا کہ ہم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا سے دھوکہ کھانے سے بچنے کے لئے کہا ہے اور ہمیں اس گھر کے حصول کی ترغیب دی ہے جس کی نعمتیں دائمی اور جہاں کے رہنے والے بہت خوش بخت ہیں۔ یہ سب کچھ ہم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ جن لوگوں کا باطن گناہوں کے میل کچیل سے آلودہ ہے اور وہ دنیا کی ظاہری شکل کی طرف دیکھتے ہیں تو وہ دنیا کی زیب و زینت سے فریب کھا جاتے ہیں تب وہ دنیا میں بہائم کی طرح رہتے ہیں، مویشیوں کی طرح اس دنیا سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اپنے رب کے حق میں غور کرتے ہیں نہ اس کی معرفت کے حصول کا اہتمام کرتے ہیں بلکہ ان کے ارادے صرف شہوات کے حصول پر مرکوز ہوتے ہیں خواہ وہ کسی بھی طریقے سے اور کسی بھی حالت میں حاصل ہوں۔ جب ان لوگوں کی موت کا وقت آتا ہے تو انہیں اپنی ذات کے ویران ہونے اور لذتوں کے چھوٹ جانے پر بہت قلق ہوتا ہے۔ اس قلق کا سبب یہ نہیں کہ وہ کوتاہی اور گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔

اور جو اس دنیا کے باطن پر نظر ڈالتا ہے اور اسے دنیا اور خود اپنے مقاصد کا علم ہوتا ہے وہ اس دنیا سے صرف اتنا سا استفادہ کرتا ہے جس سے وہ اپنے مقاصد کے حصول میں مدد لے سکے جن کے لئے اس کو تخلیق کیا گیا ہے اور اپنی عمر میں فرصت کو غنیمت جانتا ہے وہ دنیا کو راہ گزر سمجھتا ہے آرام کی منزل نہیں۔ وہ اسے انتہائی دشوار اور تکلیف دہ سفر سمجھتا ہے، عیش و آرام کا گھر نہیں۔ پس وہ اپنے رب کی معرفت کے حصول اس کے احکام کے نفاذ اور اپنے اعمال کو مقام احسان پر پہنچانے کے لئے پوری جدوجہد کرتا ہے۔ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین منازل میں قیام کرے گا وہ ہر قسم کے اکرام و تکریم، نعمتوں اور مسرتوں کا مستحق ہوگا۔ جب فریب خوردہ لوگ دنیا کے ظاہر کو دیکھتے تھے تو اس شخص کی نظر دنیا کے باطن پر تھی، جب لوگ حصول دنیا کے لئے کام کرتے تھے تو یہ اپنی آخرت کے لئے کام کرتا تھا۔ دونوں فریقوں میں بہت بڑا فرق اور دونوں گروہوں کے درمیان بہت بڑا تفاوت ہے۔

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا ۙ ۙ اِذْ

کیا خیال کیا ہے آپ نے کہ بلاشبہ غار اور رقیم والے، تھے وہ ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب (نشانی)؟ ۰ جب

أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا

پناہی ان نوجوانوں نے غار کی طرف تو انہوں نے کہا، ہمارے رب! تو دے ہمیں اپنی طرف سے رحمت، اور آسان کرو۔ ہمارے لئے

مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ۙ ۙ فَضَرْبَنَا عَلَى أَعْيُنِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ۙ ۙ

ہمارے کام میں بھلائی کا راستہ ۰ پس ڈال دیا ہم نے ان کے کانوں پر (پردہ)، غار میں کئی سال تک گنتی کے ۰



## ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْجَزْبَيْنِ أَحْصَىٰ لِمَا لَبِثُوا أَمَدًا ۝۱۶

پھر اٹھایا ہم نے انکو تاکہ جان لیں ہم کہ کون دو گروہوں میں سے زیادہ یاد رکھنے والا ہے، اسکو کہ ٹھہرے رہے وہ اس مدت تک ○  
یہ استفہام نفی اور نہی کے معنی میں ہے۔ یعنی اصحاب کہف کے قصہ اور ان کے واقعات کو اللہ تعالیٰ کی آیات کے سامنے انہونی بات اس کی حکمت میں انوکھا واقعہ نہ سمجھو اور نہ یہ سمجھو کہ اس کی کوئی نظیر نہیں اور اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے بے شمار تعجب خیز معجزات ہیں جو اصحاب کہف کے معجزے کی جنس میں سے ہیں یا اس سے بھی بڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اپنے بندوں کو آفاق اور ان کے نفوس میں اپنی نشانیاں دکھاتا رہا ہے جن سے حق و باطل اور ہدایت و ضلالت واضح ہوتے ہیں۔ نفی سے مراد یہ نہیں کہ اصحاب کہف کا قصہ عجائبات میں سے نہیں بلکہ یہ قصہ تو اللہ تعالیٰ کے معجزات میں سے ہے اور اس سے صرف یہ مراد ہے کہ اس جنس سے اور بہت سے معجزات ہیں اس لئے صرف اس ایک معجزے پر تعجب کے ساتھ ٹھہر جانا علم و عقل میں نقص ہے۔ بندہ مومن کا وظیفہ تو یہ ہونا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان تمام آیات میں غور و فکر کرے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو غور و فکر کی دعوت دی ہے کیونکہ غور و فکر ایمان کی کلید اور علم و ایمان کا راستہ ہے۔ اصحاب کہف کو (الکھف) اور (الرقیم) کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ کہف سے مراد پہاڑ کے اندر ایک غار ہے اور رقیم سے مراد کتبہ ہے جس پر اصحاب کہف کے نام اور ان کا واقعہ درج تھا کہ وہ طویل زمانے تک اس غار میں پڑے رہے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کا واقعہ نہایت مجمل طور پر ذکر کیا اور پھر اس کی تفصیل بیان کی چنانچہ فرمایا: ﴿إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ﴾ ”جب جاٹھٹھے وہ نو جوان غار میں“ اور یہ نو جوان اس غار میں پناہ گزین ہو کر اپنی قوم کی تعذیب اور فتنے سے بچنا چاہتے تھے۔ ﴿فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً﴾ ”پس انہوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت دے“ یعنی اپنی رحمت کے ذریعے سے ہمیں ثابت قدمی عطا کر، شر سے محفوظ رکھ اور ہمیں نیکی کی توفیق دے۔ ﴿وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا﴾ ”اور ہمارے کام میں درستی پیدا کر۔“ یعنی رشد و ہدایت تک پہنچانے والا ہر راستہ ہمارے لئے آسان فرما دے اور ہمارے دینی اور دنیاوی امور کی اصلاح کر۔ پس وہ کوشش کے ساتھ اپنی قوم کی تعذیب اور فتنے سے فرار ہو کر ایسے محل و مقام کی طرف بھاگے جہاں ان کے لئے چھپنا ممکن تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ اور اپنے نفس اور مخلوق پر بھروسہ کئے بغیر اپنے معاملات میں اللہ تعالیٰ سے آسانی کا سوال کرتے رہے۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کے لئے ایک ایسا امر مقرر کر دیا جو ان کے گمان میں بھی نہ تھا۔ فرمایا: ﴿فَضَرَبْنَا عَلَىٰ آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ﴾ ”پس تھپک دیئے ہم نے ان کے کان اس غار میں“ یعنی ہم نے انہیں سلا دیا ﴿سِنِينَ عَدَدًا﴾ ”چند سال گنتی کے“ اور یہ تین سو نو سال کا عرصہ ہے۔ اس نیند میں ان کے دلوں کے لئے اضطراب اور

خوف سے اور ان کی قوم سے حفاظت تھی۔

﴿ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ﴾ ”پھر ہم نے ان کو اٹھایا“ یعنی پھر ہم نے ان کو ان کی نیند سے بیدار کیا ﴿لَنَعْلَمَ آتَى الْجَزْبِیْنِ﴾ ”تا کہ ہم جانیں کہ دونوں گروہوں میں سے کس نے یاد رکھی ہے وہ مدت جس میں وہ ٹھہرے رہے“ یعنی تا کہ ہم دیکھیں کہ ان میں سے اپنی مدت کی مقدار کو کون ٹھیک طرح سے شمار کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَكَذٰلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوْا بَيْنَهُمْ﴾ (الکھف: ۱۸/۱۹) ”اور اس طرح ہم نے انہیں دوبارہ اٹھایا تا کہ وہ ایک دوسرے سے پوچھیں۔“ یعنی اپنے سوئے رہنے کی مدت کی مقدار ضبط حساب اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اس کی حکمت اور رحمت کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کریں..... اور اگر وہ دائمی طور پر سوئے رہتے تو ان کے واقعہ کی کسی کو کوئی اطلاع نہ ہوتی۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ﴿۱۴﴾ وَرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝

ہدایت میں ○ اور مضبوط کر دیا ہم نے ان کے دلوں کو جب کھڑے ہوئے وہ تو کہا انہوں نے، ہمارا رب تو رب ہے آسمانوں اور زمین کا،

لَنْ نَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اِلٰهًا لَقَدْ قُلْنَا اِذَا شَطَطًا ﴿۱۵﴾

ہرگز نہیں پکاریں گے ہم سوائے اس کے کسی اور معبود کو، البتہ تحقیق کہی ہم نے اس وقت ظلم و زیادتی والی بات ○

یہاں سے اصحاب کھف کے واقعہ کی تفصیل شروع ہوتی ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس قصے کو حق اور صداقت کے ساتھ اپنے نبی ﷺ پر بیان کرتا ہے جس میں کسی لحاظ سے کوئی شک و شبہ نہیں۔ ﴿اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوا بِرَبِّهِمْ﴾ ”وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے“ (فِتْيَةٌ) جمع قلت ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ نوجوان تعداد میں دس سے کم تھے۔ وہ اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان لائے مگر ان کی قوم ایمان نہ لائی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی قدر کی اور ان کی ہدایت میں اضافہ کیا، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے راہ ایمان پر گامزن ہونے کے سبب سے ان کی ہدایت کو اور زیادہ کر دیا۔ ہدایت سے مراد علم نافع اور عمل صالح ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰهْتَدٰ وَهُدًى﴾ (مریم: ۷۶/۱۹) ”جو لوگ راہ راست اختیار کرتے ہیں اللہ ان کی راست روی اور زیادہ بڑھاتا ہے۔“ ﴿وَرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ﴾ ”اور گرہ لگادی ہم نے ان کے دلوں پر“، یعنی ہم نے انہیں صبر عطا کیا اور ان کو ثابت قدم رکھا اور ان کو اس انتہائی پریشان کن حالت میں اطمینان قلب سے نوازا۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہے کہ اس نے ان کو ایمان اور ہدایت کی توفیق عطا کی اور ان کو صبر و ثبات اور طمانیت قلب سے نوازا۔ ﴿اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ”جب وہ کھڑے ہوئے“ پس انہوں نے



کہا ہمارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے، یعنی جس نے ہمیں پیدا کیا، ہماری پرورش کی اور جو ہمیں رزق عطا کرتا ہے اور ہماری تدبیر کرتا ہے وہی تمام کائنات کو پیدا کرنے والا ہے۔ وہ ان عظیم مخلوقات کو پیدا کرنے میں منفرد ہے۔ یہ بت اور خود ساختہ معبود اس کائنات کے خالق نہیں ہیں جو کسی چیز کو پیدا کر سکتے ہیں نہ رزق دے سکتے ہیں، وہ کسی نفع و نقصان کے مالک ہیں نہ موت و حیات کے اور نہ موت کے بعد دوبارہ اٹھانے پر قادر ہیں۔ پس انہوں نے توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال کیا اور کہا: ﴿لَنْ نَدْعُو مِنْ دُونِهِ لَهَا﴾ ”ہم اس کے سوا کسی کو معبود نہ پکاریں گے۔“ یعنی ہم تمام مخلوقات میں سے کسی کو الہ نہیں بنائیں گے۔ ﴿لَقَدْ قُلْنَا إِذَا﴾ ”تحقیق کہی ہم نے بات اس وقت“ یعنی یہ جان لینے کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ ہمارا پروردگار اور معبود حقیقی ہے اس کے سوا کسی اور کے لئے عبادت جائز ہے نہ مناسب ہے ﴿شَطَطًا﴾ ”عقل سے دور“ یعنی حق و صواب سے دور۔ پس انہوں نے توحید ربوبیت اور توحید الوہیت کے اقرار اور التزام کو جمع کیا اور واضح کر دیا کہ صرف یہی حق ہے اس کے سوا سب کچھ باطل ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں اپنے رب کی مکمل معرفت حاصل تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ہدایت عطا کی گئی تھی۔

هَؤُلَاءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَوْ لَا يَأْتُونَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ بَيِّنٍ  
یہ ہماری قوم، بنا لئے ہیں انہوں نے سوائے اللہ کے کئی معبود، کیوں نہیں لاتے وہ ان (کی عبادت) پر کوئی دلیل واضح؟  
فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۝۱۵

پس کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جس نے باندھا اوپر اللہ کے جھوٹ؟

یہ ذکر کرنے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان ہدایت اور تقویٰ سے نوازا وہ اپنی قوم کے شرک کی طرف متوجہ ہوئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری ہستیوں کو معبود بنا رکھا ہے۔ انہوں نے اپنی قوم کے نظریات پر ناراضی کا اظہار کیا اور ان پر واضح کیا کہ ان کے مشرکانہ عقائد یقین پر مبنی نہیں ہیں بلکہ اس کے برعکس وہ جہالت اور ضلالت میں مبتلا ہیں چنانچہ انہوں نے کہا: ﴿لَوْ لَا يَأْتُونَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ بَيِّنٍ﴾ ”کیوں نہیں لاتے ان پر کوئی واضح دلیل“ یعنی وہ اپنے باطل عقائد پر کوئی حجت و برہان پیش نہیں کر سکتے نہ ان کے پاس اس کا کوئی چارہ ہے یہ تو ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور بہتان طرازی ہے اور یہ سب سے بڑا ظلم ہے اس لئے فرمایا: ﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللَّهِ كَذِبًا﴾ ”اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔“

وَإِذْ اعْتَزَلْتُمْهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأَوْا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ  
اور جب الگ ہو گئے ہو تم ان سے اور جن کی وہ عبادت کرتے ہیں سوائے اللہ کے، تو پناہ لو تم اس غار کی طرف، پھیلا دے گا تم پر

رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مَرْفَقًا ۝۱۶

تمہارا رب اپنی رحمت اور مہیا کر دے گا تمہارے لئے تمہارے کام میں آسانی

یعنی انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ چونکہ تم جسمانی اور دینی طور پر اپنی قوم سے الگ ہو گئے ہو اس لئے اب ان کے شر سے نجات پانا اور اس کے لئے اسباب اختیار کرنا باقی ہے کیونکہ وہ ان کے ساتھ جنگ کر سکتے ہیں نہ اس بنا پر ان کے ساتھ رہ سکتے ہیں کہ ان کا دین ان کی قوم کے دین سے مختلف ہے۔ ﴿فَاَوَّاٰ اِلَى الْكَهْفِ﴾ ”پس جگہ پکڑو غار کی طرف“ یعنی غار میں جا کر چھپ جاؤ۔ ﴿يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَهْتِيْ لَكُمْ مِنْ اَمْرِكُمْ مَرْفَقًا﴾ ”پھیلا دے گا تم پر تمہارا رب اپنی رحمت اور مہیا کرے گا تمہیں تمہارے کام میں آسانی“ گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی اس دعا کے بارے میں خبر دی تھی۔ ﴿رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا﴾ انہوں نے اپنی قوت و اختیار سے براءت کا اظہار کیا اپنے معاملے کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس کے حضور ملتی ہوئے اور اس پر بھروسہ کیا کہ وہ ان کے معاملے کی اصلاح کرے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی بے پایاں رحمت سے ڈھانپ لیا اور ان کے معاملے میں آسانی پیدا کر دی۔ ان کی زندگی اور ان کے دین کی حفاظت کی اور خلائق کے لئے انہیں ایک بڑا معجزہ بنا دیا اور ان کی ثنائے حسن کو دنیا میں پھیلا دیا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور ان کے لئے ہر سبب آسان کر دیا حتیٰ کہ وہ جگہ جہاں وہ سوتے رہے ممکن حد تک محفوظ تھی۔

وَتَرَى الشَّيْءَ اِذَا طَلَعَتْ تُّزُوْرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ  
اور تو دیکھے گا سورج کو جب طلوع ہوتا ہے وہ تو جھک (ہٹ) جاتا ہے ان کے غار سے دائیں طرف کو، اور جب غروب ہوتا ہے  
تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ مَنْ  
وہ تو کترا (کر نکل) جاتا ہے ان کی بائیں طرف سے، اور وہ کھلی جگہ میں ہیں اس (غار) سے، یہ (واقعہ) نشانیوں میں سے ہے اللہ کی جسے  
يَهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضِلِّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝۱۵  
ہدایت دے اللہ، تو وہی ہے ہدایت پانے والا، اور جسے وہ گمراہ کر دے، تو ہرگز نہیں پائیں گے آپ اس کیلئے کوئی دوست راہ نمائی کرنی والا  
وَتَحْسَبُهُمْ اَيْْقَاظًا وَهُمْ رُقُوْدٌ ۚ وَنَقْلُہُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۚ  
اور آپ خیال کریں گے انہیں بیدار حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور ہم کروٹیں بدلتے ہیں انکی دائیں طرف اور بائیں طرف،  
وَكُلُّہُمْ بِاَسْطِ ذِرَاعَيْہِ بِالْوَصِيْدِ ۚ لَوْ اَظْلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَكَّيْتَ  
اور کرتا ان کا پھیلائے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ دہلیز پر، اگر آپ جھانکیں ان پر تو آپ پیٹھ پھیر لیں

مِنْہُمْ فِرَارًا وَكَلِمَتٌ مِنْہُمْ رُّعْبًا ۝۱۸

ان سے بھاگتے ہوئے اور بھرجائے آپ میں ان کی دہشت ○

یعنی اللہ تعالیٰ نے سورج کی تمازت سے ان کی حفاظت کی۔ انہیں ایک ایسا غار مہیا کیا کہ جب سورج طلوع



ہوتا تو اس کے دائیں طرف سے گزر جاتا اور جب غروب ہوتا تو اس کی بائیں طرف سے گزر جاتا اس طرح سورج کی تمازت ان تک نہ پہنچ پاتی، جو ان کے ابدان کو خراب کرتی۔ ﴿وَهُمْ فِي فُجُورٍ مِّنْهُ﴾ اور وہ اس کے میدان میں تھے۔ یعنی وہ غار کے اندر ایک کھلی جگہ میں لیٹے ہوئے تھے تاکہ وہاں تازہ ہوا کا گزر ہو اور یوں وہ گھٹن اور بدن کے خراب ہونے سے بچیں رہیں خاص طور پر جبکہ انہوں نے طویل عرصہ تک پڑے رہنا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی ہے جو اس کی قدرت اور رحمت پر دلالت کرتی ہے، نیز ان کی دعا کے قبول ہونے اور ان کے ہدایت یافتہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ بناء بریں فرمایا: ﴿مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ﴾ جس کو ہدایت دے اللہ پس وہی ہدایت پر ہے، یعنی اللہ کے سوا ہدایت کے حصول کا کوئی راستہ نہیں، دین و دنیا کے مصالح کے لئے اللہ تعالیٰ ہی ہادی اور راہنما ہے۔

﴿وَمَنْ يُضِلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾ اور جس کو وہ گمراہ کر دے پس آپ اس کے لیے ہرگز رہنمائی کرنے والا رفیق نہیں پائیں گے۔ یعنی آپ کوئی ایسی ہستی نہیں پائیں گے جو اس کی سرپرستی کرے اور اس کے معاملے کی اس طرح تدبیر کرے جو اس کے لئے درست ہے اور نہ کوئی ایسی ہستی پائیں گے جو نیکی اور فلاح کی طرف اس کی راہ نمائی کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی گمراہی کا فیصلہ کر دیا ہے اور اس کے فیصلے کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ ﴿وَتَحْسَبُهُمْ آيَاتًا وَهُمْ رُفُودٌ﴾ اور تم ان کو خیال کرو کہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سوتے ہیں۔ یعنی اے ان کی طرف دیکھنے والے شخص! تجھے ان کے بارے میں یوں لگے گا جیسے کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سو رہے ہیں۔ مفسرین کہتے ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں تاکہ خراب نہ ہوں اس لئے ان کو دیکھنے والا سمجھتا تھا کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ بخواب تھے۔

﴿وَنَقَلْبُهُمْ دَاتِ الْمَيِّتِينَ وَذَاتِ الشَّجَا﴾ اور کروٹیں دلاتے ہیں ہم ان کو دائیں اور بائیں جانب۔ یہ انتظام بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے جسموں کی حفاظت کے لیے تھا کیونکہ یہ زمین کی خاصیت ہے کہ جو چیز اس کے ساتھ پیوست رہتی ہے یہ اس کو کھا جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تھی کہ وہ ان کو دائیں پہلو پر اور کبھی بائیں پہلو پر پلٹتا رہتا تھا تاکہ زمین ان کے جسم کو خراب نہ کرے اور اللہ تعالیٰ تو اس پر بھی قادر ہے کہ وہ ان کے پہلوؤں کو بدل کے بغیر ہی ان کے جسموں کی حفاظت کرے۔ مگر اللہ تعالیٰ حکیم ہے اس نے ارادہ فرمایا کہ وہ اس تکوینی قوانین میں اپنی سنت کو جاری و ساری کرے اور اسباب کو ان کے مسببات کے ساتھ مربوط کرے۔ ﴿وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ﴾ اور ان کا کتا اپنے بازو پھیلائے ہوئے تھا چوکھٹ پر، یعنی وہ کتا جو اصحاب کہف کے ساتھ تھا اس کی چوکیداری کے وقت اس پر بھی وہی نیند طاری ہوئی جو ان پر طاری ہو گئی تھی وہ اس وقت اپنی اگلی ٹانگیں زمین پر بچھائے غار کے دہانے پر بیٹھا تھا یا وہ غار میں کھلی جگہ پر بیٹھا تھا یہ انتظام تو ان کو زمین

سے بچانے کے لیے تھا۔ رہا لوگوں سے ان کی حفاظت کرنا، تو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ رعب کے ذریعے سے ان کی حفاظت کی جو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہیئت میں رکھ دیا تھا۔ اگر کوئی شخص غار کے اندر جھانک کر دیکھے تو اس کا دل رعب سے بھر جائے اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے۔ یہی وہ چیز تھی جو اس امر کی موجب تھی کہ وہ طویل مدت تک صحیح سلامت باقی رہیں۔ اور شہر سے بہت قریب ہونے کے باوجود کسی کو ان کے بارے میں علم نہ ہوا اور شہر سے ان کے قرب کی دلیل یہ ہے کہ جب وہ نیند سے بیدار ہوئے تو انہوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو بھیجا کہ وہ شہر سے کھانا خرید کر لائے اور دوسرے لوگ اس کا انتظار کرتے رہے یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ شہر ان سے بہت قریب تھا۔

وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوا

اور اسی طرح دوبارہ اٹھایا ہم نے انکو تاکہ وہ سوال کریں آپس میں، کہا ایک کہنے والے نے ان میں سے کتنا (عمر) ٹھہرے ہو تم؟ انہوں نے کہا،

لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ

ٹھہرے ہیں ہم ایک دن یا کچھ حصہ دن کا، انہوں نے کہا تمہارا رب خوب جانتا ہے جتنا ٹھہرے ہو تم، پس بھیجو تم اپنے ایک آدمی کو

بِوَرَقِكُمْ هَذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ

ساتھ اپنی اس چاندی کے شہر کی طرف، پس چاہیے کہ دیکھے وہ کونسا ان میں سے زیادہ پاکیزہ ہے کھانا پھر چاہیے کہ لے آئے وہ تمہارے پاس کھانا

مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا ۚ إِنَّهُمْ إِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ

اس میں سے، اور چاہیے کہ وہ نرمی (سے بات) کرے اور نہ آگاہ کر دے وہ تمہارے معاملے سے کسی کو بلاشبہ وہ اگر مطلع ہو گئے تم پر

يَرْجُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ وَلَكِنْ تَفْلِحُوا إِذَا أَبَدًا ۝۲۰

تو سگسار کر دیں گے وہ تمہیں یا لوٹا دیں گے تم کو اپنے دین میں، اور ہرگز نہیں فلاح پاؤ گے تم اس وقت کبھی بھی ○

﴿وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ﴾ یعنی اسی طرح ہم نے ان کو ان کی طویل نیند سے بیدار کیا ﴿لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ﴾

”تاکہ آپس میں ایک دوسرے سے دریافت کریں۔“ یعنی سونے کی مدت کے بارے میں حقیقت معلوم کرنے

کے لئے ایک دوسرے سے پوچھیں۔ ﴿قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ ان میں

سے ایک نے کہا، تم کتنی مدت ٹھہرے؟ انہوں نے کہا، ہم ٹھہرے ایک دن یا ایک دن سے کم۔“ یہ قائل کے ظن پر

مبنی ہے گویا ان کو اپنی مدت کی طوالت کے بارے میں اشتباہ واقع ہو گیا تھا اس لئے ﴿قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا

لَبِثْتُمْ﴾ انہوں نے کہا تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے جتنی مدت تم ٹھہرے، پس انہوں نے اپنے علم کو اس ہستی کی

طرف لوٹا دیا جس کا علم اجمالاً اور تفصیلاً ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے سوئے رہنے کی مدت سے ان کو مطلع کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو



بیدار کر دیا تھا تا کہ وہ اس مدت کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھیں پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ انہوں نے ایک دوسرے سے سوال کیا اور اپنے اپنے مبلغِ علم کے مطابق انہوں نے کلام کیا اور ان کی آپس میں بحث کا نتیجہ یہ رہا کہ ان کے سونے کی مدت کا معاملہ مشتبہ ہی رہا۔ یہ لازمی امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یقینی طور پر آگاہ کیا ہوگا اور ہمیں یہ بات ان کے بیدار کئے جانے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت سے معلوم ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل عبث نہیں ہوتا اور یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت ہے کہ جو کوئی ان معاملات میں حقیقت کا طلب گار ہوتا ہے جن کا جاننا مطلوب ہے اور اس کے لئے امکان بھر کوشش بھی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان معاملات کو اس پر واضح کر دیتا ہے اور بعد میں مذکور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے۔ ﴿وَكَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَ بَيْنَ يَدَيْكَ﴾ (الکہف: ۲۱۸) ”اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان کے حال سے آگاہ کر دیا تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور بے شک قیامت کی گھڑی ضرور آئے گی۔“ اگر ان کے حال کے بارے میں آگاہی نہ ہوئی ہوتی تو ان کے لئے مذکورہ واقعہ میں کوئی دلیل نہ ہوتی۔ پھر جب انہوں نے ایک دوسرے سے سوال کیا اور ان کے درمیان وہ سوال جواب ہوا جس کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے تو انہوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو کچھ سکے، یعنی دراہم دے کر جو ان کے پاس تھے، کھانا خرید کر لانے کے لئے اس شہر میں بھیجا جہاں سے وہ نکل کر آئے تھے اور اس سے کہا کہ وہ اچھا اور لذیذ ترین کھانا منتخب کر کے لائے، نیز اس کے شہر جانے، کھانا خریدنے اور واپس لوٹنے میں ایسا نرم رویہ اختیار کرے کہ کسی کو کانوں کا خبر نہ ہو۔ وہ اپنے آپ کو بھی چھپائے اور اپنے بھائیوں کے حال کو بھی مخفی رکھے اور کسی کو اس کے بارے میں کوئی علم نہ ہو۔ ان کے سامنے یہ اندیشہ تھا کہ لوگوں کو اگر ان کی اطلاع ہوگئی تو اس کے نتیجے میں ان کے ساتھ جو سلوک ہوگا وہ ان دو امور میں سے ایک ہوگا۔ یا تو وہ ان کو سنگسار کر کے نہایت برے طریقے سے ان کو قتل کر دیں گے کیونکہ انہیں ان پر اور ان کے دین پر سخت غصہ ہے۔ یا انہیں تعذیب اور آزمائش میں مبتلا کر کے ان کو اپنے دین میں واپس لانے کی کوشش کریں گے اور اس حال میں وہ کبھی فلاح نہیں پائیں گے بلکہ وہ اپنے دین، دنیا اور آخرت کے بارے میں سخت خسارے میں رہیں گے۔

یہ دو آیات کریمہ متعدد فوائد پر دلالت کرتی ہیں:

- (۱) حصول علم اور علمی مباحثہ پر ترغیب کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسی خاطر اصحاب کہف کو دوبارہ زندہ کیا۔
- (۲) جب بندے پر علم مشتبہ ہو جائے تو اس کا ادب یہ ہے کہ وہ اس علم کو اس شخص کی طرف لوٹا دے جو اس کا عالم ہے اور خود اپنی حد پر ٹھہر جائے۔
- (۳) خرید و فروخت میں وکالت اور اس میں شراکت صحیح ہے۔

(۴) اچھی چیزیں اور لذیذ کھانے کھانا جائز ہے جبکہ ان میں اسراف نہ ہو جو ممنوع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلْيَنْظُرِ آيَتَهَا أَذْكَىٰ طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِنْهُ﴾ ”پس وہ دیکھے کہ سب سے اچھا کھانا کہاں سے ملتا ہے پس وہ تمہارے لئے وہیں سے کچھ کھانے کے لئے لے کر آئے۔“ خاص طور پر جبکہ انسان کو اس کے سوا کوئی اور کھانا موافق نہ آتا ہو۔ شاید یہی آیت کریمہ ان مفسرین کے قول کی بنیاد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اصحاب کہف بادشاہوں کی اولاد تھے اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے کھانا لانے والے کو اچھا اور لذیذ کھانا لانے کا حکم دیا تھا کیونکہ خوشحال اور بڑے لوگوں کی عادت ہے کہ وہ اچھا کھانا تناول کرتے ہیں۔

(۵) جب دین میں ابتلا اور فتنہ کا موقع ہو تو اس سے بچنے، چھپنے اور فتنوں کی جگہوں سے دور رہنے کی ترغیب دی گئی ہے نیز یہ کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے دینی بھائیوں کو چھپائے۔

(۶) ان آیات کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ ان نوجوانوں کو دین میں شدید رغبت تھی وہ اپنے دین کے بارے میں ہر قسم کے فتنہ سے دور بھاگتے تھے اور انہوں نے دین کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑ دیا تھا۔

(۷) ان آیات کریمہ میں اس شر کا ذکر ہے جو ضرر اور ان مفسد پر مشتمل ہے جو اس کی ناپسندیدگی کا باعث اور اس کو ترک کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور یہ کہ یہ طریقہ تمام متقدمین اور متاخرین اہل ایمان کا طریقہ ہے کیونکہ اہل کہف نے کہا تھا: ﴿وَلَنْ تَفْلَحُوا إِذَا أَبَدًا﴾ اگر وہ تمہیں اپنی ملت میں واپس لوٹا دیں تو تم کبھی فلاح نہیں پاؤ گے۔

وَكَذٰلِكَ اَعِزَّنَا عَلَيْهِمْ لِیَعْلَمُوْا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَیْبَ فِیْهَا ؕ  
اور اسی طرح مطلع کر دیا ہم نے ان پر (لوگوں کو) تاکہ وہ جان لیں کہ بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے، اور بلاشبہ قیامت، نہیں کوئی شک اس میں  
اِذْ یَتَنَازَعُوْنَ بَیْنَهُمْ اَمْرُهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَیْهِمْ بُنَیَٰنًا ۚ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهُمْ ؕ  
جب وہ ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے باہم انکے معاملے میں سو کہا انہوں نے، بناؤ ان پر ایک عمارت انکار ب خوب جانتا ہے ان کو،  
قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰی اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْهِمْ مَّسْجِدًا ۝۲۱

کہا ان لوگوں نے جو غالب آئے تھے اور ان کے معاملے کے، البتہ ضرور بنائیں گے ہم ان پر مسجد ○

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے لوگوں کو اصحاب کہف کے احوال سے مطلع کیا اور یہ اطلاع یوں ہوئی (واللہ اعلم) کہ اصحاب کہف جب اپنی نیند سے بیدار ہوئے تو انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو کھانا لانے کے لئے شہر بھیجا اور اسے ہدایت کی کہ وہ خود اپنے آپ کو اور ان کے معاملے کو چھپائے رکھے۔

مگر اللہ تعالیٰ ایک ایسا معاملہ چاہتا تھا جس میں لوگوں کی بھلائی اور ان کے لئے زیادہ اجر تھا۔ انہوں نے



اصحاب کہف میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے اس بات کی نشانی کا عینی مشاہدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کا قیامت کا وعدہ سچا ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور اس کا آنا بعید نہیں۔ اس سے پہلے وہ اس امر میں اختلاف کیا کرتے تھے۔ بعض لوگ قیامت اور جزائے اعمال کو مانتے تھے اور بعض اس کا انکار کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے واقعہ کو اہل ایمان کے لئے ان کے یقین و بصیرت میں اضافے اور منکرین کے خلاف حجت و برہان کا باعث بنایا اور اس تمام قضیے کا اجر اصحاب کہف کو حاصل ہوا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اصحاب کہف کے واقعہ کو تشہیر بخشی ان کی قدر و منزلت بلند کی یہاں تک کہ ان لوگوں کی بھی عظمت بیان کی جو ان کے احوال پر مطلع ہوئے۔ ﴿فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِم بُيُوتًا﴾ ”پس انہوں نے کہا بنادو ان پر ایک عمارت۔“ اللہ تعالیٰ ان کے حال و مال کے بارے میں زیادہ جانتا ہے۔ وہ لوگ جو ان کے معاملے میں اختیار رکھتے تھے یعنی اصحاب اقتدار وہ کہنے لگے: ﴿لَنَنزِلَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا﴾ ”ہم بنائیں گے ان کی جگہ پر ایک مسجد“ یعنی ہم اس مسجد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس مسجد کی وجہ سے ان کے حالات و واقعات کو یاد رکھیں گے۔ مگر یہ حالت ممنوع اور حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے اور ایسا کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔ ① یہاں اس کا ذکر کرنا اس کے مذموم نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ آیات کا سیاق اصحاب کہف کی شان اور ان کی مدح و ثنا کے بارے میں ہے یعنی اصحاب کہف کے بارے میں اطلاع پا کر لوگوں کی حالت یہ تھی کہ وہ یہاں تک کہنے لگے کہ ان پر ایک مسجد تعمیر کر دو۔ کہاں تو اصحاب کہف کو اپنی قوم سے شدید خوف اور اپنے بارے میں اطلاع ہونے کا ڈر تھا اور کہاں یہ حالت تھی جو آپ کے سامنے ہے۔

(۱) یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو کوئی اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لئے فرار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے فتنوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

(۲) جو کوئی عافیت کی خواہش رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عافیت عطا کرتا ہے۔

(۳) جو اللہ تعالیٰ کے پاس پناہ لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پناہ دیتا ہے اور اسے دوسروں کے لئے ذریعہ ہدایت بنا دیتا ہے۔

(۴) جو کوئی اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس کی رضا کی خاطر ذلت اٹھاتا ہے انجام کار اسے بہت زیادہ عزت

نصیب ہوتی ہے اور اسے اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ ﴿وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلَآبَرَارِ﴾ (آل

عمران: ۱۹۸/۳) ”جو اللہ کے پاس ہے وہ نیکو کار لوگوں کے لئے بہت بہتر ہے۔“

سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا

عنقریب کہیں گے (لوگ) وہ تین تھے، چوتھا انکا، کتا تھا ان کا اور کہیں گے (وہ) پانچ تھے، چھٹا انکا، کتا تھا انکا، (یہ تو) رائے زنی کرنا ہے

بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ سَبْعَةُ وَثَمَانُهُمْ كُلُّهُمْ قُلُ رَّبِّي أَعْلَمُ بِعَدَّتِهِمْ

بغیر علم کے اور کہیں گے، (وہ) سات تھے، آٹھواں ان کا، کتا تھا ان کا، آپ کہہ دیجئے، میرا رب خوب جانتا ہے ان کی تعداد،

مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۚ فَلَا تُنَادِرُ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا

نہیں جانتے ان (کے حال) کو، مگر بہت تھوڑے لوگ ہی ہونہ جھگڑا کریں آپ ان کی بابت مگر جھگڑا سرسری

وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِنْهُمْ أَحَدًا ۚ

اور نہ پوچھئے آپ ان کے بارے میں ان میں سے کسی سے بھی ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں اہل کتاب کے اختلاف کا ذکر فرماتا ہے ان کا اختلاف محض اٹکل پچو اور بے تکی باتیں تھیں۔ انہوں نے بغیر کسی علم کے یہ باتیں گھڑی تھیں۔ ان کی تعداد کے متعلق اہل کتاب کے تین اقوال تھے:

(۱) ان میں سے بعض کا خیال تھا کہ اصحاب کہف تین آدمی تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا۔

(۲) بعض کی رائے تھی کہ وہ پانچ آدمی تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا..... یہ دو قول ہیں جن کو ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو (رجما بالغیب) قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ان دونوں اقوال کے بطلان پر دلالت کرتا ہے۔

(۳) بعض کہتے ہیں کہ وہ تعداد میں سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا اور یہی قرین صواب ہے۔ (واللہ اعلم) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے دو اقوال کا ابطال کیا ہے مگر اس قول کا ابطال نہیں کیا جو اس کی صحت کی دلیل ہے۔

تاہم یہ ایسا اختلاف ہے جس کے تحت کوئی فائدہ نہیں نہ ان کے عدد کی معرفت سے لوگوں کو کوئی دینی یاد دہانی مصلحت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ بِعَدَّتِهِمْ مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ﴾ ”کہہ دیجئے! میرا رب ہی خوب جانتا ہے ان کی تعداد کو تھوڑے لوگ ہی ان کا علم رکھتے ہیں“ اور یہ وہ لوگ ہیں جو صواب تک پہنچ گئے اور انہیں اپنی اصابت کا علم بھی ہو گیا۔ ﴿فَلَا تُنَادِرُ فِيهِمْ﴾ ”لہذا ان کے بارے میں جھگڑا نہ کیجئے“ ﴿إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا﴾ ”مگر سرسری گفتگو“ یعنی ایسی بحث جو علم و یقین پر مبنی ہو اس میں فائدہ بھی ہو۔ رہی وہ بحث اور مجادلہ جو جہالت اور اٹکل پچو دلائل پر مبنی ہو یا اس بحث میں کوئی دینی یاد دہانی فائدہ نہ ہو یا مد مقابل عناد رکھتا ہو یا زیر بحث مسئلہ کی کوئی اہمیت نہ ہو اس کی معرفت سے کوئی دینی فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو مثلاً اصحاب کہف کی تعداد وغیرہ..... تو اس قسم کے امور میں کثرت سے بحث مباحثہ کرنا تضييع اوقات ہے اور یہ بحث مباحثہ باہمی مودت و محبت پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ ﴿وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ﴾ ”اور نہ پوچھئے ان کے بارے میں“ یعنی اصحاب

کہف کے بارے میں ﴿مِنْهُمْ﴾ یعنی اہل کتاب میں سے ﴿أَحَدًا﴾ ”کسی سے بھی“ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان



کا کلام محض اندازوں اور وہم و گمان پر مبنی ہے جو حق کے مقابلے میں کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ اس آیت کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ جو فتویٰ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس سے استفتاء نہ کیا جائے، خواہ اس کی وجہ یہ ہو کہ جس امر کے بارے میں فتویٰ پوچھا جا رہا ہے وہ اس میں کوتاہ علم ہے یا اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ بولتے وقت اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ وہ کیا بول رہا ہے اور وہ ورع سے بھی خالی ہے جو اسے لایعنی کلام سے روک دے۔ جب اس قسم کے امور میں استفتاء ممنوع ہے تو فتویٰ دینا تو بدرجہ اولیٰ ممنوع ہے۔

اس آیت کریمہ میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ انسان کو بسا اوقات کسی ایک امر میں استفتاء کرنے سے روکا گیا مگر کسی دوسرے معاملے میں استفتاء کی اجازت ہوتی ہے۔ پس وہ ایسے شخص سے فتویٰ طلب کرے جو فتویٰ دینے کا اہل ہو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ پوچھنے سے علی الاطلاق منع نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اصحاب کہف کے قصے میں اور اس قسم کے دیگر واقعات میں فتویٰ پوچھنے سے روکا ہے۔

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايٍ اِنِّي فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝۳۳ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ ذِ وَاذْكُرْ

اور قطعاً نہ کہیں آپ کسی چیز کے متعلق کہ بے شک میں کرنے والا ہوں یہ کل ○ مگر یہ کہ چاہے اللہ، اور یاد کریں

رَبِّكَ اِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَلٰى اَنْ يَّهْدِيَنِيْ رَبِّيْ لَا قَرْبَ مِنْ هٰذَا رَشْدًا ۝۳۴

اپنے رب کو جب بھول جائیں آپ اور کہئے! امید ہے کہ ہدایت دے دے مجھے میرا رب قریب تر اسے کی اس سے، بھلائی کے ○

یہ نہی دیگر نواہی کی مانند (عام) ہے اگرچہ یہ ایک خاص سبب کی بنا پر ہے اور اس کے مخاطب رسول اللہ ﷺ ہیں، مگر اس کا خطاب عام مکلفین کے لئے بھی ہے۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے روک دیا ہے کہ بندہ مومن مستقبل کے امور کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کو ملائے بغیر کہے ”میں یہ کام کروں گا“ اور یہ اس لیے کہ اس میں خطرات ہیں، اور وہ ہے مستقبل کے غیبی معاملات کے بارے میں کلام کرنا، جن کے بارے میں بندہ نہیں جانتا کہ وہ ان پر عمل کر سکے گا یا نہیں، یا وہ ہوگا یا نہیں؟ اس طرح کہنے میں فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا معاملہ مستقل طور پر بندے کی طرف لوٹنا ہے حالانکہ یہ قابل احتراز شے اور ممنوع ہے، کیونکہ مشیت تمام تر اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ فرمایا: ﴿وَمَا تَشَاءُونَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (التکویر: ۲۹/۸۱) ”تم نہیں چاہتے مگر جو اللہ جہانوں کا رب چاہتا ہے۔“ اپنے کسی امر میں اللہ کی مشیت کے ذکر کرنے میں اس امر کی آسانی، تسہیل، اس میں برکت کا حصول اور بندے کی اپنے رب سے مدد کی طلب ہے۔ علاوہ ازیں بندہ ایک بشر ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ذکر کو بھول جانا ایک لاپرواہی امر ہے اس لئے اس نے اپنے بندے کو حکم دیا کہ جب اسے یاد آئے وہ استثناء کر لیا کرے (یعنی ”ان شاء اللہ“ کہہ لیا کرے) تاکہ مطلوب و مقصود حاصل ہو اور محذور سے بچا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ اِذَا نَسِيتَ﴾ ”جب تو بھول جائے تو اپنے رب کو یاد کر“ کے عموم سے بھی یہ حکم

اخذ کیا جاتا ہے کہ نسیان کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر نسیان کو زائل کر دیتا ہے اور بندے کو وہ امر یاد دلادیتا ہے جو اسے بھول گیا تھا۔ اسی طرح اللہ کا ذکر بھول جانے اور نسیان کا شکار ہو جانے والے کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے رب کو یاد کرے اور اور غافلوں میں شامل نہ ہو۔

چونکہ بندہ اصابت کی توفیق اور اپنے اقوال و افعال میں عدم خطا کے لئے اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا ہے کہ وہ کہے ﴿عَلَىٰ أَنْ يَهْدِيَنَّ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَذَا رَشَدًا﴾ ”امید ہے کہ دکھائے مجھے میرا رب اس سے زیادہ نزدیک نیکی کی راہ“ پس اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پکارے اسی سے امید وابستہ کرے اور اسی پر اس بارے میں بھروسہ کرے کہ وہ اس کی رشد و ہدایت کے لئے قریب ترین راستہ کی طرف اس کی راہنمائی کرے گا۔ جس بندے کا حال یہ ہو پھر وہ رشد و ہدایت کی طلب میں اپنی کوشش اور جہد صرف کرنے وہ اس لائق ہے کہ اس کو رشد و ہدایت کی توفیق عطا ہو اس کے پاس اس کے رب کی مدد آئے اور اس کے تمام امور میں اسے درستی و راستی عطا ہو۔

وَكَبِتُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةِ سِنِينَ وَأَزْدَادُوا تِسْعًا ۝ قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ  
اور ٹھہرے وہ اپنے غار میں تین سو سال اور زیادہ رہے (اس سے) نو سال ۝ آپ کہہ دیجئے! اللہ ہی خوب جانتا ہے  
بِمَا كَبِتُوا لَهُ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَبْصِرْ بِهِ وَأَسْمِعْ مَا لَهُمْ  
اس مدت کو کہ جو وہ ٹھہرے، اسی کیلئے ہے غیب آسمانوں اور زمین کا، کیا ہی خوب دیکھنے والا ہے وہ، اور کیا ہی خوب سننے والا ہے، نہیں ہے ان کیلئے  
مَنْ دُونِهِ مِنْ وَكَلٍ ذَٰلِكَ لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ۝

سوائے اس (اللہ) کے کوئی دوست، اور نہیں شریک کرتا وہ اپنے حکم میں کسی کو بھی ۝

چونکہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے بارے میں اہل کتاب سے سوال کرنے سے منع کر دیا ہے کیونکہ انہیں اس کے متعلق کچھ علم نہیں، اللہ تعالیٰ ہی غیب اور حاضر کا علم رکھتا ہے اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے..... اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے سوئے رہنے کی مدت سے آگاہ فرمایا۔ اس مدت کو وہ اکیلا ہی جانتا ہے کیونکہ اس کا تعلق آسمانوں اور زمین کے غیبی امور سے ہے اور غیبی امور کا علم اللہ تعالیٰ سے مختص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان امور کے بارے میں اپنے رسولوں کی زبانی آگاہ فرمایا ہے وہی حق یقینی ہے جس میں کوئی شک نہیں اور وہ امور جن کے بارے میں وہ اپنے انبیاء و رسل کو مطلع نہیں کرتا مخلوق میں سے کوئی بھی ان کو نہیں جان سکتا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد: ﴿أَبْصِرْ بِهِ وَأَسْمِعْ﴾ ”کیا ہی خوب وہ دیکھتا اور سنتا ہے“ تمام معلومات پر اپنے علم کے احاطہ کے بارے میں آگاہ کرنے کے بعد کامل سمع و بصر تمام مسموعات و مبصرات پر اس سمع و بصر کے محیط ہونے پر تعجب کا اظہار ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ ولایت عامہ اور ولایت خاصہ میں وہی منفرد ہے وہی



ولی اور مددگار ہے جو تمام کائنات کی تدبیر کرتا ہے اپنے مومن بندوں کا دوست اور مددگار ہے وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ فرمایا: ﴿مَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ﴾ ”نہیں ہے واسطے ان کے اس کے سوا کوئی دوست، کارساز، یعنی وہی ہے جس نے اپنے لطف و کرم سے اصحاب کہف کی سرپرستی فرمائی اور ان کے معاملے کو اپنی مخلوق میں سے کسی پر نہیں چھوڑا۔ ﴿وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا﴾ ”اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا“ اور یہ حکم کوئی و قدری اور حکم دینی و شرعی دونوں کو شامل ہے وہی قضا و قدر اور تخلیق و تدبیر کے ذریعے سے اور امر و نہی اور ثواب و عقاب کے ذریعے سے اپنی مخلوق میں اپنا حکم نافذ کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمادیا کہ آسمانوں اور زمین کے تمام غیبی امور کو وہ جانتا ہے تو مخلوق کے لئے ان کو جاننے کا اس طریقے کے سوا کوئی اور طریقہ نہیں جو اس نے اپنے بندوں کو بتایا ہے۔ یہ قرآن کریم بہت سے غیبی امور پر مشتمل ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی توجہ مرکوز کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۖ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ

اور تلاوت کیجئے اس کی جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف، کتاب میں سے آپ کے رب کی نہیں کوئی بدلنے والا اس کی باتوں کو،

وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۝۲۵

اور ہرگز نہیں پائیں گے آپ سوائے اس کے کوئی جائے پناہ ۝۲۵

تلاوت سے مراد اتباع کرنا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف جو وحی بھیجی ہے اس کے معانی کی معرفت اور ان کا فہم حاصل کر کے اس کی دی ہوئی خبروں کی تصدیق اور اس کے اوامر و نواہی کی تعمیل کر کے اس کی اتباع کیجئے کیونکہ یہ بہت ہی جلیل القدر کتاب ہے جس کی باتوں کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا، ان کلمات کے صدق و عدل اور حسن میں ہر غایت و انتہا سے بڑھ جانے کی وجہ سے ان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ ﴿وَتَنَتَّ كَلِمَاتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدًا﴾ (الانعام: ۱۱۵/۶) ”آپ کے رب کی بات صدق و عدل کے اعتبار سے کامل ہے۔“ پس اپنے کمال کی وجہ سے ان باتوں میں تغیر و تبدل محال ہے اگر اللہ تعالیٰ کے کلمات ناقص ہوتے تو ان میں تغیر و تبدل واقع ہو سکتا۔ اس میں قرآن کریم کی عظمت کا اظہار ہے اور اسی ضمن میں قرآن کریم کی طرف توجہ کرنے کی ترغیب ہے۔ ﴿وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا﴾ ”اور اس کے سوا تم کہیں پناہ کی جگہ بھی نہیں پاؤ گے۔“ یعنی آپ کے رب کے سوا آپ کو کہیں کوئی ٹھکانا نہیں ملے گا جہاں آپ چھپ سکیں نہ پناہ گاہ ملے گی جہاں پناہ لے سکیں۔ پس جب یہ حقیقت متعین ہو گئی کہ تمام امور میں وہی ملجا و ماویٰ ہے تو یہ بات بھی متعین ہو گئی کہ وہی اللہ ہے خوشحالی اور بدحالی میں اسی کی طرف رغبت کی جائے لوگ اپنے تمام احوال میں اسی کے محتاج ہیں اور اپنے تمام مطالب میں اسی سے سوال کیا جائے۔

وَأَصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدْوَةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ

اور روک رکھے اپنے آپ کو ساتھ ان لوگوں کے جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام، وہ چاہتے ہیں  
وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنُكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ  
چہرہ اس (اللہ) کا اور نہ تجاوز کریں آپ کی آنکھیں ان سے، ارادہ کرتے ہیں آپ زینت کا زندگی دنیا کی، اور مت اطاعت کریں آپ

مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

اس شخص کی کہ غافل کر دیا ہم نے اس کے دل کو اپنے ذکر سے اور پیروی کی اس نے اپنی خواہش کی، اور ہے معاملہ اس کا حد سے بڑھا ہوا ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کو اور دوسروں کو جو امر و نواہی میں آپ کے نمونہ پر عمل پیرا ہیں  
حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مومنوں کے ساتھ جوڑے رکھیں جو اللہ کے بندے اور اس کی طرف رجوع کرنے  
والے ہیں۔ ﴿الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدْوَةِ وَالْعَشِيِّ﴾ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام، یعنی دن  
کے پہلے اور آخری حصے میں اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی بندگی اور اس  
میں ان کے اخلاص کو بیان کیا ہے۔ پس اس آیت کریمہ میں حکم دیا گیا ہے کہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے  
ان کی صحبت اختیار کرنے اور ان کے ساتھ اختلاط میں نفس کے ساتھ مجاہدہ کیا جائے۔ خواہ یہ نیک لوگ فقرا ہی  
کیوں نہ ہوں کیونکہ ان کی صحبت میں اتنے فوائد ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ ﴿وَلَا تَعْدُ عَيْنُكَ عَنْهُمْ﴾ اور  
تمہاری نگاہیں ان میں سے (گزر کر اور طرف) نہ دوڑیں۔ یعنی آپ ﷺ کی نظریں ان سے تجاوز کریں نہ  
آپ اپنی نظروں کو ان سے ہٹائیں۔ ﴿تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی کی رونق کی تلاش میں،  
کیونکہ یہ چیز نقصان دہ ہے اس میں کوئی فائدہ نہیں یہ تمام دینی مصالح کی قاطع ہے یہ دنیا سے دل کے تعلق کی  
موجب بنتی ہے دل میں اندیشے اور وسوسے جاگزیں ہو جاتے ہیں اور دل سے آخرت کی رغبت زائل ہو جاتی  
ہے۔ دنیا کی زیب و زینت دیکھنے والے کو بہت خوش کن نظر آتی ہے قلب پر جادو کر دیتی ہے جس سے قلب اللہ  
تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو کر لذات و شہوات میں مگن ہو جاتا ہے تب وہ اپنے وقت کو ضائع کر کے اپنے معاملے  
میں کوتاہی کا شکار ہوتا ہے۔ وہ دائمی خسارے میں پڑ جاتا ہے اور ابدی ندامت اس کا نصیب بن جاتی ہے اس لئے  
فرمایا: ﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا﴾ اس شخص کا کہنا نہ مانیے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے  
غافل کر دیا، یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے غافل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو سزا دی کہ اسے اپنے ذکر سے غافل کر دیا۔  
﴿وَاتَّبَعَ هَوَاهُ﴾ اور وہ اپنی خواہشات نفس کے پیچھے لگ گیا، اس کے نفس نے جو چاہا وہ کیا اور اس کو پالنے کی  
کوشش کرنے لگا خواہ اس میں اس کی ہلاکت اور اس کے لئے خسارہ ہی کیوں نہ ہو۔ پس اس نے اپنی خواہشات

نفس کو اپنا معبود بنا لیا جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَصْلَهُ



**اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ** (الحاثیہ: ۲۳/۴۵) ”کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہ کر دیا۔“ **وَكَانَ أَمْرُهُ** ”اور اس کا کام ہے“ یعنی اس کے دین و دنیا کے مصالح **﴿قُرْطًا﴾** ”حد سے نکل جانا“ یعنی ضائع اور معطل ہونے والے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کی اطاعت سے روکا ہے کیونکہ اس کی اطاعت اس کی پیروی کرنے کی دعوت دیتی ہے نیز اس لیے کہ وہ صرف اسی چیز کی طرف دعوت دیتا ہے جس سے وہ خود متصف ہے۔

یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ وہی شخص اطاعت کے لائق اور لوگوں کا امام بننے کے قابل ہے جس کا دل محبت الہی سے لبریز ہو اور اس کی زبان پر محبت الہی کا فیضان ہو وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو اپنے رب کی رضا کی پیروی کرتا ہو اور اسے اپنے نفس کی خواہشات پر مقدم رکھتا ہو۔ پس اس طرح وہ اپنے وقت کی حفاظت کرے گا اس کے تمام احوال درست اور تمام افعال ٹھیک ہو جائیں گے۔ وہ لوگوں کو اس چیز کی طرف دعوت دے گا جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اس پر احسان کیا ہے۔ پس یہ شخص اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے اور اس کو امام بنایا جائے۔ آیت مقدسہ میں جس صبر کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر ہے۔ یہ صبر کی بلند ترین قسم ہے اس کی تکمیل سے صبر کی باقی تمام اقسام کی تکمیل ہوتی ہے۔ آیت مبارکہ سے ذکر الہی دعا اور دن کے دونوں حصوں میں عبادت کا استحباب مستفاد ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس فعل پر ان کی مدح کی ہے اور جس فعل پر اللہ تعالیٰ فاعل کی مدح کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس فعل کو پسند کرتا ہے تو اس کا حکم اور اس کی ترغیب دیتا ہے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ ۖ إِنَّا

اور کہہ دیجئے! حق تو ہے تمہارے رب کی طرف سے، سو جو چاہے تو ایمان لائے وہ اور جو چاہے تو کفر کرے، بلاشبہ

اعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا ۖ أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ

ہم نے تیار کی ہے ظالموں کیلئے ایسی آگ کہ گھیرا ہوا ہے انکو اسکی قناتوں نے، اور اگر وہ فریاد کریں گے تو فریاد ہی کئے جائیں گے ساتھ ایسے پانی کے

كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهُ ۖ بِئْسَ الشَّرَابُ ۖ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ۖ إِنَّ الَّذِينَ

جو مانند تیل کی تلچٹ کے ہوگا، وہ بھون ڈالے گا چہرے (انکے)، برا پینا ہے وہ اور بری آرام گاہ ہے وہ ۝ بے شک وہ لوگ جو

أَمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ۖ ۝ أُولَٰئِكَ لَهُمْ

ایمان لائے اور انہوں نے عمل کئے نیک، بلاشبہ ہم نہیں ضائع کرتے اجر اس شخص کا جس نے اچھا عمل کیا ۝ یہی لوگ، انہی کے لیے ہیں

جَدَّتْ عَدْنٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ

باغات بیشکلی کے، بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں، وہ زیور پہنائے جائیں گے اس میں، نگین سونے کے،

وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى

اور وہ پہنیں گے کپڑے سبز رنگ کے، باریک اور موٹے ریشم کے اس حال میں کہ ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے وہ ان میں اوپر

الْأَرْكَانِ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾

تختوں کے، اچھا بدلہ ہے (جنت)، اور اچھی آرام گاہ ہے ○

اے محمد (ﷺ)! لوگوں سے کہہ دیجئے کہ یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے، یعنی ضلالت میں سے ہدایت، گمراہی میں سے راہ راست اور اہل شقاوت و اہل سعادت کی صفات واضح ہو گئی ہیں اور یہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے حق کو اپنے رسول ﷺ کی زبان پر واضح کر دیا اور جب حق واضح ہو گیا تو اس میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہا۔ ﴿فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمَرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفَرْ﴾ ”پھر جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے“ یعنی دو راستوں میں سے ایک راستے کو اختیار کیے بغیر چارہ نہیں۔ جس پر بندہ توفیق اور عدم توفیق کے مطابق گامزن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندے کو ارادے کی آزادی عطا کی ہے اس آزادی کی بنا پر بندہ ایمان لانے، کفر کرنے اور خیر و شر کے ارتکاب کی قدرت رکھتا ہے۔ پس جو کوئی ایمان لے آتا ہے اسے حق و صواب کی توفیق عطا ہوتی ہے اور جو کوئی کفر کرتا ہے اس پر حجت قائم ہو جاتی ہے۔ اسے ایمان پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا آكُرَاهُ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ (البقرة: ۲۵۶/۲) ”دین میں کوئی جبر نہیں ہدایت گمراہی سے واضح ہو گئی ہے۔“ پھر اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں کے انجام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ﴾ ”بے شک ہم نے ظالموں کے لیے تیار کی ہے“ یعنی جنہوں نے کفر، فسق اور معصیت کے ذریعے سے ظلم کا ارتکاب کیا ﴿نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا﴾ ”آگ“ جن کو گھیر رہی ہیں اس کی قاتیں، یعنی آگ کی بڑی بڑی دیواریں ہیں جنہوں نے ان ظالموں کو گھیر رکھا ہے۔ وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ہوگا نہ نجات کا کوئی ذریعہ وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔ ﴿وَلَنْ يَسْتَغِيثُوا﴾ ”اور اگر وہ فریاد کریں گے“ یعنی اگر وہ اپنی سخت پیاس بجھانے کے لئے پانی مانگیں گے ﴿يُعَاثُّوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ﴾ ”تو ملے گا ان کو پانی، جیسے پیپ“ یعنی انہیں گچھے ہوئے سیسے یا تیل کی تلچھٹ جیسا پانی پلایا جائے گا۔ ﴿يَشْوَى الْوُجُوهُ﴾ ”جو چہروں کو بھون ڈالے گا۔“ یعنی جو شدت حرارت کی وجہ سے چہروں کو بھون کر رکھ دے گا تب انتزیوں اور پیٹ کا کیا حال ہوگا؟ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يُصْهِرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُودُ وَلَهُمْ مَقَامِعٌ مِنْ حَدِيدٍ﴾ (الحج: ۲۰، ۲۱-۲۲) ”اس گرم پانی سے ان کے پیٹ اور ان کی کھالیں گل جائیں گی اور ان کے لئے لوہے کے گرز ہوں گے۔“ ﴿بِئْسَ الشَّرَابُ﴾ ”کیا برا پینا ہے“ وہ جس سے پیاس بجھانا اور پیاس کے اس عذاب کو دور کرنا مقصود ہوگا مگر اس کے برعکس ان کے عذاب میں اضافہ اور ان کی عقوبت میں شدت ہوگی۔ ﴿وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا﴾ ”اور کیا بری



(یہ آگ) آرام گاہ ہے، یہ آگ کے احوال کی مذمت ہے یعنی یہ آرام کی بدترین جگہ ہوگی۔ کیونکہ یہاں آرام نہیں بلکہ عذاب عظیم ہوگا جو بہت ہی تکلیف دہ ہوگا۔ گھڑی بھر کے لئے بھی یہ عذاب ان سے دور نہیں ہوگا اور وہ سخت مایوسی کے عالم میں ہوں گے۔ وہ ہر بھلائی سے مایوس ہو جائیں گے جس طرح انہوں نے مہربان اللہ کو فراموش کر دیا وہ بھی انہیں فراموش کر دے گا۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فریق ثانی یعنی اہل ایمان کا ذکر فرماتا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ ”بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے“ یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اس کے رسولوں، یوم آخرت اور اچھی و بری تقدیر پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ نیک کام یعنی واجبات و مستحبات پر عمل کیا ﴿إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا﴾ ”بے شک ہم ان لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے جو اچھے عمل کرتے ہیں۔“ عمل میں احسان یہ ہے کہ اس عمل میں بندے کے پیش نظر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہو اور یہ عمل شریعت کی اتباع میں ہو۔ یہی وہ عمل ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہرگز ضائع نہیں کرے گا بلکہ اسے عمل کرنے والوں کے لئے محفوظ رکھے گا اور اپنے فضل و کرم سے ان کے عمل کے مطابق انہیں پورا پورا اجر عطا کرے گا اور ان الفاظ میں ان کے اجر کا ذکر فرمایا: ﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُندُسٍ وَاسْتَبْرَقٍ مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ﴾ ”ایسے لوگوں کے لئے ہمیشہ رہنے والے باغ ہیں جن میں ان کے (مخلوں کے) نیچے نہریں بہ رہی ہیں ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ باریک دیبا اور اطلس کے سبز کپڑے پہنا کریں گے اور تختوں پر تکیے لگا کر بیٹھا کریں گے۔“ یعنی وہ لوگ جو ایمان اور عمل صالح کی صفات سے موصوف ہیں ان کے لئے بلند باغات ہوں گے جن میں بکثرت درخت ہوں گے جو جنت کے رہنے والوں پر سایہ کناں ہوں گے ان میں بکثرت دریا ہوں گے جو ان خوبصورت درختوں اور عالیشان مخلوں کے نیچے بہہ رہے ہوں گے۔ جنت میں ان کے لئے سونے کے زیورات ہوں گے ان کے ملبوسات سبز ریشم کے بنے ہوئے ہوں گے (سندس) سے مراد بیز ریشم اور (استبرق) سے مراد باریک ریشم جو عصفر سے رنگا ہوا ہو۔ وہ قیمتی کپڑوں سے آراستہ کئے ہوئے اور سجائے ہوئے تختوں پر براجمان ہوں گے۔ (اریکۃ) کو اس وقت تک (اریکۃ) نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ وہ مذکورہ صفات سے متصف نہ ہو۔

تختوں پر سہارا لگا کر ان کے بیٹھنے کی کیفیت دلالت کرتی ہے کہ وہ کامل راحت میں ہوں گے اور ہر قسم کی تکلیف ان سے دور ہوگی، خدام ان کی دل پسند چیزوں کے ساتھ ان کی خدمت میں مصروف ہوں گے اور ان تمام امور کی تکمیل اس طرح ہوگی کہ انہیں جنتوں میں دائمی خلود اور ابدی قیام حاصل ہوگا۔ پس یہ جلیل القدر گھر ﴿نِعْمَ

**الثَّوَابُ ﴿﴾** ”کیا خوب بدلہ ہے“ نیک عمل کرنے والوں کے لئے ﴿وَحَسَنَتْ مُرْتَقًّیًا﴾ ”اور کیا خوب آرام کی جگہ ہے“ جس میں یہ آرام کریں گے اور اس کی چیزوں سے متمتع ہوں گے جن کی ان کے نفس خواہش کریں گے آنکھیں لذت اٹھائیں گی، یعنی خوشی، مسرت، دائمی فرحت، کبھی ختم نہ ہونے والی لذتیں اور وفا فرمائیں۔ اس گھر سے بہتر آرام کرنے کی جگہ اور کون سی ہو سکتی ہے کہ اس کے رہنے والوں میں سے سب سے ادنیٰ شخص اپنی ملکیت اور اپنی نعمتوں میں اپنے مخلوق اور باغوں میں دو ہزار سال چلے پھرے گا اور وہ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں دیکھے گا۔ اس کی تمام آرزوئیں اور اس کے تمام مقاصد پورے ہوں گے۔ جہاں اس کی آرزوئیں پہنچنے سے قاصر ہوں گی وہاں ان کے مطالب میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان نعمتوں کا دوام ان کے اوصاف اور حسن میں اضافے کا باعث ہے۔ پس ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمارے شر، ہماری تقصیر اور ہمارے گناہوں کے سبب سے ہمیں اپنے اس احسان سے محروم نہ کرے جو اس کے پاس ہے۔

اس آیت کریمہ اور اس قسم کی دیگر آیات کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ جنت میں مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے زیورات ہوں گے جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿يَحْنُونَ﴾ ”زیور پہنائے جائیں گے“ علی الاطلاق بیان کیا گیا ہے اور اسی طرح ریشم کے ملبوسات بھی سب کے لئے ہوں گے۔

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا

اور بیان کیجئے ان کیلئے مثال دو آدمیوں کی، کہ بنائے (تھے) ہم نے ایک کیلئے ان میں سے دو باغ انگوروں کے، اور باز لگادی ہم نے دونوں کے گرد

بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زُرْعًا ﴿۳۶﴾ كَلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اتَتْهُمَا أَكْلُهُمَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ

کھجوروں کے درختوں کی، اور کی ہم نے درمیان ان کے کھیتی ۰ دونوں باغوں نے دیا اپنا پھل اور نہ کم کیا اس میں سے

شَيْئًا ۖ وَفَجَّرْنَا خِلْفَهُمَا نَهْرًا ﴿۳۷﴾ وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ

کچھ بھی، اور جاری کر دی ہم نے درمیان ان دونوں کے ایک نہر ۰ اور تھیں کیلئے پھل،

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ ان کے سامنے دو آدمیوں کی مثال بیان کر دیجئے، ایک وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے دوسرا وہ جو ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا ناشکر گزار ہے اور ان دونوں سے جس قسم کے اقوال و افعال صادر ہوتے ہیں اور ان کی بنا پر انہیں جو دنیاوی اور اخروی عذاب اور ثواب حاصل ہوگا، تاکہ یہ لوگ ان دونوں کے احوال سے عبرت حاصل کریں اور انہیں جو عذاب یا ثواب حاصل ہوا اس سے نصیحت پکڑیں۔ ان دونوں آدمیوں کی متعین طور پر معرفت حاصل کرنے اور یہ معلوم کرنے میں کہ وہ کس زمانے اور کون سی جگہ کے لوگ ہیں؟ کوئی فائدہ نہیں۔ فائدہ اور نتیجہ صرف ان کے واقعہ کو بیان کرنے میں ہے۔

ان کے قصہ کے علاوہ دیگر امور میں تعرض کرنا محض تکلف ہے۔ پس ان دونوں میں سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی



ناسپاسی کرنے والے شخص کو اللہ تعالیٰ نے دو باغ عطا کئے، یعنی انگوروں کے دو خوبصورت باغ ﴿وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ﴾ اور ان دونوں کے گرد کھجوروں کے درخت تھے، یعنی ان باغات میں ہر قسم کے پھل تھے خاص طور پر انگور اور کھجور کے درخت جو سب سے افضل درخت ہیں۔ باغ کے وسط میں انگور کی بیلین تھیں کھجور کے درختوں نے اس کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا۔ اس طرح وہ بہت خوبصورت نظر آتا تھا انگور کی بیلوں اور کھجور کے درختوں کو بکثرت ہوا اور سورج کی وافر روشنی حاصل ہوتی تھی، ہوا اور روشنی پھل کی تکمیل اور اس کے پکنے کے لئے بہت ضروری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ درختوں کے درمیان کھیتی کاشت کی ہوئی تھی۔ پس ان کے لئے اس کے سوا کچھ باقی نہ تھا کہ ان سے کہا جاتا کہ ان دونوں باغوں کے پھل کیسے ہیں؟ کیا ان کو سیراب کرنے کے لئے کافی پانی موجود ہے؟

اللہ تبارک و تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ دونوں باغوں میں سے ہر باغ کا پھل اور اس کی فصل کئی گنا ہوتی تھی ﴿وَلَمْ تَظَلِمْ مِنْهُ شَيْئًا﴾ اور وہ نہیں گھٹاتے تھے اس میں سے کچھ، یعنی پھل لانے میں تھوڑی سی بھی کسر نہ چھوڑی اور اس کے ساتھ ساتھ دریائانی سے لبریز اس کے چاروں جانب بہہ رہے تھے۔ ﴿وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ﴾ اور اس شخص کا باغ بہت پھل لایا تھا جیسا کہ لفظ (ثَمَرٌ) کے نکرہ ہونے سے مستفاد ہوتا ہے۔ اس کے باغوں کا پھل پوری طرح پک گیا تھا ان کے درخت پھل کے بوجھ سے جھک رہے تھے۔ ان پر کوئی آفت نازل نہیں ہوئی تھی۔ پس یہ کھیتی باڑی کے پہلو سے دنیا کی زیب و زینت کی انتہا ہے اس وجہ سے وہ شخص دھوکے میں پڑ گیا، تکبر کرنے اور اترانے لگا اور اپنی آخرت کو فراموش کر بیٹھا۔

فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ۖ<sup>۳۳</sup>  
پس کہا اس نے اپنے ساتھی سے جبکہ وہ گفتگو کر رہا تھا اس سے، میں زیادہ ہوں تجھ سے مال میں، اور زیادہ با عزت ہوں تجھ سے باعتبار جتنے کے  
وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ قَالَ مَا أَظُنُّ أَن تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا ۖ<sup>۳۴</sup>  
اور وہ داخل ہوا اپنے باغ میں جبکہ وہ ظلم کر رہا تھا اپنے آپ پر، اس نے کہا، نہیں گمان کرتا میں یہ کہ تباہ ہو گا یہ (باغ) کبھی بھی  
وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً ۖ وَلَئِن رُّدِّدْتُ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ  
اور نہیں گمان کرتا میں قیامت کو قائم ہونے والی، اور البتہ اگر (بالفرض) لوٹایا گیا میں اپنے رب کی طرف تو ضرور پاؤں گا میں  
خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۖ<sup>۳۵</sup>

بہتر ان باغوں سے بھی لوٹ کر جائیگی جگہ

ان باغوں کے مالک نے اپنے صاحب ایمان ساتھی سے نہایت فخر سے کہا جبکہ وہ دونوں روزمرہ کے بعض معاملات میں ایک دوسرے سے بات چیت کر رہے تھے: ﴿أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا﴾ ”میرے پاس

تجھ سے زیادہ مال ہے اور زیادہ آبرو والے لوگ“ اس نے اپنے مال کی کثرت اور اپنے اعوان و انصار یعنی اپنے غلام و خدام اور عزیز و اقارب کی طاقت پر فخر کا اظہار کیا۔ یہ اس کی جہالت تھی ورنہ ایک ایسے خارجی امر میں کون سی فخر کی بات ہے جس میں کوئی نفسی فضیلت ہے نہ معنوی صفت۔ یہ تو ایک بچے کا سا فخر ہے جو محض اپنی آرزوؤں پر فخر کرتا ہے جن کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

پھر اس نے صرف اپنے ساتھی پر فخر کے اظہار پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی جہالت اور ظلم کی بنا پر حکم لگایا اور جب وہ اپنے باغ میں داخل ہوا تو اس نے اپنے گمان کو الفاظ کا پیرایہ دیا: ﴿قَالَ مَا أَظُنُّ أَنْ تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا﴾ ”اس نے کہا میں نہیں خیال کرتا کہ یہ (باغ) کبھی تباہ ہو۔“ یعنی یہ باغ کبھی ختم اور مضحک نہ ہوگا۔ وہ اس دنیا پر مطمئن ہو کر اسی پر راضی ہو گیا اور اس نے آخرت کا انکار کر دیا کہنے لگا: ﴿وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رُودُّنَا إِلَى رَبِّي﴾ ”اور نہیں خیال کرتا میں کہ قیامت قائم ہونے والی ہے اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹا گیا“ یعنی فرض کیا قیامت قائم ہوتی ہے ﴿لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا﴾ ”تو پاؤں گا اس سے بہتر وہاں پہنچ کر“ یعنی اللہ مجھے ان باغوں سے بہتر ٹھکانا عطا کرے گا“ اس کی یہ بات دو امور سے خالی نہیں:

(۱) یا تو وہ حقیقت حال کا علم رکھتا ہے تب اس کا یہ کلام ٹھٹھے اور تمسخر کے طور پر ہے یہ اس کے کفر میں اضافے کا باعث ہے۔

(۲) یا وہ حقیقت میں یہی سمجھتا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا تب وہ دنیا کا جاہل ترین شخص اور عقل سے بے بہرہ ہے۔

دنیا کی عطا اور آخرت کی عطا میں کون سا تلازم ہے کہ کوئی جاہل شخص اپنی جہالت کی بنا پر یہ سمجھے کہ جسے اس دنیا میں عطا کر دیا گیا ہے اسے آخرت میں بھی عطا کیا جائے گا بلکہ غالب طور پر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء اور خاص بندوں سے دنیا کو دور ہٹا دیتا اور اپنے دشمنوں کو دنیا عطا کرتا ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو حقیقت کا علم تھا مگر اس نے بات محض ٹھٹھے اور تمسخر کے طور پر کہی تھی اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ﴾ ”اور وہ اپنے باغ میں گیا جب کہ وہ اپنے ساتھ ظلم کر رہا تھا“ پس باغ میں داخل ہوتے وقت اس سے صادر ہونے والے کلمات سے اس کے وصف ظلم کا اثبات اس کے تَمَرُّد اور عناد پر دلالت کرتا ہے۔

قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ

کہا اس سے اس کے (مومن) ساتھی نے، جبکہ وہ گفتگو کر رہا تھا اس سے، کیا کفر کیا ہے تو نے ساتھ اس ذات کے جس نے پیدا کیا تجھے مٹی سے، پھر

مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ سَوَّيْتُكَ رَجُلًا ۖ لَيْسَ هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي

نطفے سے، پھر ٹھیک اور درست بنایا تجھے مرد؟ ○ لیکن (میں تو کہتا ہوں) وہی اللہ میرا رب ہے اور نہیں شریک ٹھہراتا میں اپنے رب کیساتھ،



أَحَدًا ۳۸) وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ

کسی کو بھی ۰ اور کیوں نہیں، جب داخل ہوا تو اپنے باغ میں، کہا تو نے، جو چاہے اللہ (وہی ہوگا)؟ نہیں کوئی قوت مگر ساتھ اللہ (کی توفیق) کے،

یعنی اس کے صاحب ایمان ساتھی نے اس کو نصیحت کرتے ہوئے اور اس کو اس کی ابتدائی حالت یاد دلاتے ہوئے جس حالت میں اللہ تعالیٰ اسے وجود میں لایا تھا..... کہا: ﴿اَكْفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّلَكَ رَجُلًا﴾ ”کیا تو نے اس ذات کا انکار کیا جس نے تجھے پیدا کیا مٹی سے، پھر قطرے سے، پھر پورا کر دیا تجھ کو مرد۔“ پس وہی ہے جس نے تجھے وجود بخشا اور تجھ تک اپنی نعمتیں پہنچائیں، تجھے ایک ہیئت سے دوسری ہیئت میں منتقل کیا یہاں تک کہ تجھے کامل اعضائے محسوسہ و معقولہ کے ساتھ آدمی بنا کر پیدا کیا، تیرے لئے اسباب میں آسانی پیدا کی اور تجھے دنیا کی نعمتیں مہیا کیں۔ تو اپنی قوت و اختیار سے کبھی یہ دنیا حاصل نہ کر سکتا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر فضل و کرم کیا ہے۔ تب تیرے لئے کیونکر یہ مناسب ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کا انکار کرے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے جنم دیا اور تک سبک درست کر کے آدمی بنایا اور تو اس کی نعمت کو جھٹلاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ تیرے مرنے کے بعد وہ تجھ کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا اور اگر اس نے تجھے دوبارہ زندہ کیا تو تجھے تیرے اس باغ سے بہتر باغ عطا کرے گا اور یہ ایسی بات ہے جو تیرے لئے مناسب اور تیرے لائق نہیں۔ جب اس کے مومن ساتھی نے دیکھا کہ وہ اپنے کفر اور سرکشی پر جما ہوا ہے تو اس نے مجادلات و شبہات کے وارد ہونے کے وقت اپنے رب کی شکر گزاری اور اپنے دین کا اعلان کرتے ہوئے بتایا: ﴿لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا﴾ ”میں تو یہی کہتا ہوں کہ وہ اللہ میرا رب ہے، میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔“ پس اس نے اپنے رب کی ربوبیت اور اس ربوبیت میں اس کی یکتائی اور اس کی اطاعت و عبادت کے ضروری ہونے کا اقرار کیا اور یہ کہ وہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہرائے گا، پھر اس نے آگاہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایمان اور اسلام کی نعمت سے نوازا ہے اگرچہ اس کے پاس مال اور اولاد قلیل ہے، لیکن حقیقی نعمت ایمان اور اسلام ہی ہے اور ان کے سوا ہر چیز زائل ہو جانے والی ہے اور سزا اور عقوبت کی باعث ہے چنانچہ فرمایا:

إِنْ تَرَنِ أَنَا أَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَوَلَدًا ۳۹) فَعَلَىٰ رَبِّي أَنْ يُوْتِيَنِي خَيْرًا

اگر تو دیکھتا ہے مجھے، کہ میں کم تر ہوں تجھ سے مال میں اور اولاد میں ۰ تو امید ہے کہ میرا رب، یہ کہ دے وہ مجھے زیادہ بہتر

مِنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحُ صَعِيدًا

تیرے باغ سے، اور بھیجے اوپر اس (تیرے باغ) کے کوئی عذاب آسمان سے، پھر ہو جائے وہ (باغ) چنیل میدان

زَلَقًا ۴۰) أَوْ يُصْبِحَ مَأْوَاهَا غُورًا فَلَنْ تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا ۴۱) وَأُحِيطَ بِشَرِّهِ

بھٹلنے والا ۰ یا ہو جائے پانی اس کا گہرا، پس ہرگز نہ استطاعت رکھے تو اسے ڈھونڈ لانے کی ۰ اور گھیر لیا (تباہ کر دیا) گیا پھل اس کا،

فَاصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلَى مَآ أَنْفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا

سو ہو گیا وہ ملتا تھا دونوں ہتھیلیاں اپنی (افسوس سے) اوپر اسکے جو خرچ کیا تھا اس نے اس میں جبکہ وہ (باغ) گرا ہوا تھا اوپر اپنی چھتریوں کے

وَيَقُولُ يَلَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا ۝ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ فِئَةٌ

اور وہ کہتا تھا 'کاش نہ شریک ٹھہراتا میں ساتھ اپنے رب کے کسی کو بھی ○ اور نہ ہوئی اس کے لئے کوئی جماعت،

يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا ۝ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ

کہ وہ مدد کرتی اس کی سوائے اللہ کے، اور نہ ہوا وہ (خود) بدلہ لینے والا (ہم سے) ○ وہاں تو تمام اختیار

لِلَّهِ الْحَقُّ ۝ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا ۝

اللہ سچ ہی کا ہے، وہی ہے بہتر ثواب (دینے) میں، اور بہتر ہے اچھے انجام سے بہرہ ور کرنے میں ○

یعنی صاحب ایمان شخص نے اس کافر سے کہا کہ تو اگرچہ کثرت مال و اولاد کی بنا پر مجھ پر فخر جتاتا ہے اور تو سمجھتا ہے کہ میں مال و اولاد کے لحاظ سے تجھ سے کم تر ہوں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور جو امید اللہ تعالیٰ کی نوازش اور احسان پر رکھی جاسکتی ہے وہ اس دنیا و مافیہا سے بہتر ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے لوگ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ﴿فَعَلَسِي

رَبِّيَ أَن يُوْتِيَنِي خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلْ عَلَيْهَا﴾ پس امید ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا کرے گا اور بھیجے گا اس پر، یعنی اس باغ پر جس کی بنا پر تو نے سرکشی کا رویہ اختیار کیا اور اس باغ نے تجھے دھوکے میں مبتلا کر دیا ﴿حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ﴾ عذاب آسمان سے، یعنی طوفانی بارش یا اور کسی قسم کا عذاب ﴿فَتَضَبَّحْ﴾ پس اس سبب سے وہ ہو جائے ﴿صَعِيدًا زَلَقًا﴾ میدان صاف کہ اس کے تمام درخت جڑوں سے اکھڑ جائیں اس کا پھل تلف ہو جائے اس کی کھیتی تباہ ہو جائے اور اس کا فائدہ مفقود ہو کر رہ جائے۔

﴿أَوْ يُصْبِحَ مَاءً وَّهًا﴾ یا ہو جائے پانی اس کا، یعنی باغ کے پانی کا سرچشمہ ﴿غَوْرًا﴾ زمین میں اور گہرا ﴿فَلَن تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا﴾ پس ہرگز نہیں لاسکے گا تو اسے ڈھونڈ کر، یعنی اتنی گہرائی میں چلا جائے کہ تم کھدائی کے آلات کے ذریعے سے بھی وہاں تک نہ پہنچ سکو۔ اس صاحب ایمان شخص نے صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر غضبناک ہو کر اس کے باغ کے لئے بددعا کی تھی کیونکہ اس باغ نے اس کو دھوکے اور سرکشی میں مبتلا کر دیا تھا اور وہ اس باغ پر مطمئن ہو کر رہ گیا تھا۔ اس بددعا کا مقصد یہ تھا کہ شاید وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اس کی رشد و ہدایت کی طرف لوٹ آئے اور اپنے بارے میں وہ خوب غور و فکر کرے۔

پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی۔ ﴿وَاحْبِطْ بَشِيرَةً﴾ اور سمیٹ لیا گیا اس کا سارا پھل، یعنی اس کے پھل پر عذاب نازل ہو گیا اس نے اس کا احاطہ کر کے اس کو تباہ کر دیا اور اس میں سے کچھ بھی باقی نہ



چھوڑا۔ پھل کا احاطہ کرنا اس بات کو مستلزم ہے کہ اس کے باغ کے تمام درخت ان کا تمام پھل اور زمین میں کاشت کی ہوئی تمام فصل سب کچھ تباہ ہو گیا۔ پس وہ بے حد نادم ہوا اور اسے سخت افسوس ہوا۔ ﴿فَاصْبِرْ يَقْدَرُ كَفَيْهِ عَلَى مَا أَنْفَقَ فِيهَا﴾ ”پس رہ گیا وہ اپنے ہاتھوں کو پھیرتا ہوا اس مال پر جو اس نے اس باغ میں لگایا تھا“ یعنی اس نے اپنے باغ پر جو دنیاوی اخراجات کئے تھے وہ سب ضائع ہو گئے اور وہ کف افسوس ملتا رہ گیا اور اس کا کوئی عوض باقی نہ رہا، نیز وہ اپنے شرک اور اپنی بدی پر بھی پشیمان ہوا اس لئے وہ کہنے لگا: ﴿وَيَقُولُ يَلَيْتَنِي لِمَ اشْرَيْتُ بِرَبِّي أَحَدًا﴾ ”کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَمْ تَكُنْ لَهُ فِئَةً يَنْصُرُونَكَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا﴾ ”اور نہ ہوئی اس کی کوئی جماعت کہ وہ اس کی مدد کرے اور نہ ہو وہ خود بدلہ لینے والا“ یعنی جب اس کے باغ پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا تو ہر چیز اس کے ہاتھوں سے نکل گئی جس پر وہ فخر کیا کرتا تھا جس کے زعم پر کہا کرتا تھا: ﴿إِنَّا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَآَعَزُّ نَفَرًا﴾ یہ اعوان و انصار اس سے کچھ بھی عذاب دور نہ کر سکے جبکہ اسے ان کی سخت ضرورت تھی اور وہ خود بھی اپنی مدد نہ کر سکا اور وہ اس عذاب سے کیسے بچ سکتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کے مقابلے میں کون اس کی مدد کر سکتا تھا جس کا فیصلہ جب اللہ تعالیٰ جاری فرما دیتا ہے تو زمین و آسمان کے تمام رہنے والے مل کر بھی اس میں سے کسی چیز کو زائل کرنا چاہیں تو وہ اس کی قدرت نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے لطف و کرم سے بعید نہیں کہ اس شخص نے جس کے باغ پر آفت نازل ہوئی تھی اپنے احوال کی اصلاح کر لی ہو وہ اپنے رشد و ہدایت کی طرف لوٹ آیا ہو اور اس کا تمام تکبر اور اس کی سرکشی ختم ہو گئی ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس نے اپنے شرک پر ندامت کا اظہار کیا تھا اور یہ بھی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے تہمید اور سرکشی کو دور کر کے اس کو دنیا ہی میں سزا دے دی ہو کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے تو اسے اس دنیا ہی میں سزا دے دیتا ہے۔ عقل و وہم اللہ تعالیٰ کے فضل کا احاطہ نہیں کر سکتے اور اس کا انکار صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو ظالم اور سخت جاہل ہے۔

﴿هَٰذَا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ دُونِ آلِهَةٍ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ آلِهَةٌ شِرْكٌ لِلَّهِ الْحَقُّ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا﴾ ”وہاں سب اختیار اللہ برحق کا ہے اسی کا انعام بہتر ہے اور اسی کا دیا ہوا بدلہ اچھا ہے“ یعنی اس حال میں جس میں اللہ تعالیٰ اس شخص کو سزا دینے کا حکم جاری کرتا ہے جس نے سرکشی اختیار کی اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی۔ اور عزت و تکریم اس شخص کے لئے جس نے ایمان لا کر نیک عمل کئے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتا رہا اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دیتا رہا۔ اس بنا پر واضح ہو گیا کہ حقیقی ولایت کا مالک صرف اکیلا اللہ تعالیٰ ہے۔ پس جو کوئی اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ولی اور دوست ہے وہ اسے مختلف اقسام کی کرامات کے ذریعے سے تکریم بخشتا ہے اور اس کو شر اور تمام آفتوں سے

بچاتا ہے۔ جو اپنے رب پر ایمان نہیں رکھتا اور نہ اسے اپنا والی اور سرپرست بناتا ہے وہ دین و دنیا میں خسارہ اٹھاتا ہے..... پس اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ دنیاوی اور اخروی ثواب بہترین ثواب ہے جس پر امیدوں کو مرکز ہونا چاہیے۔ اس عظیم قصبے میں اس شخص کے حال میں جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیاوی نعمتیں عنایت کیں، مگر ان نعمتوں نے اسے آخرت سے غافل کر کے سرکش بنا دیا اور وہ ان میں مگن ہو کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے لگا..... لوگوں کے لئے عبرت ہے کہ ان نعمتوں کا انجام زوال اور اضمحلال ہے اگر بندہ ان نعمتوں سے تھوڑا فائدہ اٹھاتا ہے تو طویل عرصے تک محرومی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بندہ مومن کے لئے مناسب یہی ہے کہ جب اسے اپنے مال اور اولاد میں سے کچھ اچھا لگے تو وہ اس نعمت کو نعمت عطا کرنے والے کی طرف منسوب کرے اور یہ کہے: (مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ) تاکہ وہ شکر گزار بنے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی بقا کے لئے سبب بننے والا بنے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ ”کیوں نہ جب تو داخل ہوا اپنے باغ میں، کہا تو نے، جو چاہے اللہ سو وہ ہو۔ طاقت نہیں مگر جو دے اللہ۔“

ان آیات کریمہ میں لذات دنیا اور اس کی شہوات کے بدلے میں ان بہتر چیزوں کے ذریعے تسلی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ فرمایا: ﴿إِنْ تَرَىٰ أَنَا أَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَوَلَدًا ۖ فَعَلِّمْنِي رَبِّي أَن يُؤْتِيَنِي خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ﴾

ان آیات کریمہ سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ مال اور اولاد اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مددگار نہ بنیں تو وہ کوئی فائدہ نہیں دیتے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالْبَقِيَّةِ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنَ أَمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ (السبا: ۳۷/۳۴) ”تمہارا مال اور تمہاری اولاد نہیں، جو تمہیں ہم سے قریب کرتی ہو مگر وہی قریب ہوتا ہے جو ایمان لائے اور نیک کام کرے۔“ اس سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ جس شخص کا مال اس کی سرکشی، کفر اور اس کے لئے اخروی خسارے کا سبب ہو اس مال کے تلف ہونے کی دعا کرنا جائز ہے۔ خاص طور پر جبکہ وہ اس مال کی بنا پر اپنے آپ کو اہل ایمان سے افضل سمجھتا ہو اور ان پر فخر کا اظہار کرتا ہو۔

ان آیات کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ولایت اور عدم ولایت اس وقت ظاہر ہوگی جب غبار چھٹ جائے گا، جزا و سزا ثابت ہوگی اور عمل کرنے والے اپنا اجر پالیں گے: ﴿هَٰذَا لَكَ الْوَلَايَةُ اللَّهُ الْحَقُّ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا﴾ ”اس وقت معلوم ہوگا کہ کار سازی تو اللہ برحق کے اختیار میں ہے اسی کا انعام بہتر ہے اور اسی کا دیا ہوا بدلہ اچھا ہے۔“

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاَخْتَلَطَ بِهٖ

اور بیان کیجئے ان کیلئے مثال زندگانی دنیا کی، وہ مانند اس پانی کے ہے کہ اتارا ہم نے اسے آسمان سے، پس مل جل گئی ساتھ اس کے



نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيحُ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

روئیدگی زمین کی، پھر ہو گئی وہ (روئیدگی) چورا چورا، اڑا لے جاتی ہیں اس کو ہوائیں، اور ہے اللہ اوپر ہر چیز کے

مُقْتَدِرًا ۝ الْبَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَالْبَاقِيَةُ الصَّالِحَةُ

قادر ○ یہ مال اور بیٹے تو زینت ہیں زندگی دنیا کی اور باقی رہنے والی نیکیاں

خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا ۝۳۹

بہت بہتر ہیں آپ کے رب کے ہاں ثواب میں، اور بہت بہتر ہیں باعتبار امید کے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی سے اصلاً اور ان لوگوں سے تبعاً فرماتا ہے جو آپ کے بعد آپ کے قائم مقام ہیں کہ لوگوں کے سامنے دنیاوی زندگی کی مثال بیان کر دیجئے تاکہ وہ اس زندگی کا اچھی طرح تصور کر لیں اور اس کے ظاہر و باطن کی معرفت حاصل کر لیں۔ پس وہ دنیاوی زندگی اور ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی کے درمیان تقابل کریں اور ان میں جو ترجیح دیئے جانے کی مستحق ہے اسے ترجیح دیں۔ اس دنیاوی زندگی کی مثال بارش کی سی ہے جو آسمان سے زمین پر برستی ہے جس سے زمین کی روئیدگی بہت گہنی ہو جاتی ہے اور ہر قسم کی خوش منظر نباتات اگ آتی ہیں۔ پس اس وقت کہ جب اس کی خوب صورتی اور سجاوٹ دیکھنے والوں کو خوش کن لگتی ہے لوگ اس سے فرحت حاصل کرتے ہیں اور زمین کا یہ حسن غافل لوگوں کی نظروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے کہ اچانک نباتات بکھس بن کر رہ جاتی ہیں اور ہوائیں اسے اڑائے لے جاتی ہیں۔ پس وہ تروتازہ خوبصورت اور خوش منظر روئیدگی ختم ہو جاتی ہے زمین چٹیل میدان بن جاتی ہے جہاں خاک اڑتی ہے جس سے نظریں دور ہٹ جاتی ہیں اور دل وحشت محسوس کرتے ہیں۔

دنیا کی زندگی کا بھی یہی حال ہے دنیا کی زندگی میں مگن شخص کو اپنا شباب بہت اچھا لگتا ہے، وہ اس زندگی میں اپنے ساتھیوں اور ہم جویوں سے آگے نکل جاتا ہے اس کے درہم و دینار کے حصول میں لگا رہتا ہے اس کی لذت سے خوب حظ اٹھاتا ہے ہر وقت اس کی شہوات کے سمندر میں غوطہ زن رہتا ہے اور وہ یہی سمجھتا ہے کہ زندگی بھر اس دنیا کی لذتیں اور شہوتیں زائل نہ ہوں گی..... کہ اچانک موت اسے آ لیتی ہے یا اس کا مال تلف ہو جاتا ہے۔ خوشیاں اس سے روٹھ جاتی ہیں اس کی لذتیں اس سے چھن جاتی ہیں اس کا قلب مصائب و آلام سے وحشت کھاتا ہے اس کی جوانی اس کی طاقت اور اس کا مال سب اس کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور وہ نیک یا برے اعمال کے ساتھ اکیلا باقی رہ جاتا ہے۔

یہی وہ حال ہے کہ جب ظالم کو اس کی حقیقت کا علم ہوگا تو اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا۔ وہ تمنا کرے گا کہ اسے دنیا میں واپس بھیجا جائے اس لئے نہیں کہ وہ ان شہوات کو پورا کرے جو نامکمل رہ گئی تھیں بلکہ اس لئے کہ اس سے

غفلت میں جو کوتاہیاں صادر ہوئیں تو بہ واستغفار اور اعمالِ صالحہ کے ذریعے سے ان کی تلافی کر سکے، لہذا عقل مند اور پختہ ارادے والا شخص جسے توفیق سے نوازا گیا ہو اپنے آپ پر یہی حالت طاری کرتا ہے اور اپنے آپ سے کہتا ہے: ”فرض کر لو کہ تم مر چکے ہو“ اور موت ایک یقینی امر ہے۔ پس مذکورہ دونوں حالتوں میں سے کون سی حالت کو تو اختیار کرتا ہے؟ اس دنیا کی زیب و زینت سے دھوکہ کھانا، اس سے اس طرح فائدہ اٹھانا جس طرح چراگاہ میں مویشی چرتے ہیں یا ایسی جنت کے حصول کی خاطر عمل کرنا جس کے پھل ہمیشہ رہنے والے اس کے سائے بہت گھنے ہیں۔ وہاں وہ سب کچھ ہوگا جو دل چاہے گا اور آنکھیں لذت حاصل کریں گی۔“

پس یہی وہ حالت ہے جس کے ذریعے سے یہ معرفت حاصل ہوتی کہ بندے کو توفیق الہی سے نوازا گیا ہے یا اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے؟ اسے نفع حاصل ہوا ہے یا خسارہ؟ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زیب و زینت ہیں اور اس سے آگے کچھ نہیں۔ انسان کے لئے جو کچھ باقی رہ جاتا اور جو اسے فائدہ اور خوشی دیتا ہے وہ باقی رہنے والی نیکیاں ہیں اور وہ واجب اور مستحب نیکی کے تمام کاموں کو شامل ہیں مثلاً: حقوق اللہ، حقوق العباد، نماز، زکوٰۃ، صدقہ، حج، عمرہ، تسبیح، تحمید، تہلیل، قراءت قرآن، طلب علم، نیکی کا حکم دینا برائی سے روکنا، صلہ رحمی، والدین کے ساتھ حسن سلوک، بیویوں کے حقوق پورے کرنا، غلاموں اور جانوروں کے حقوق کا احترام کرنا اور مخلوق کے ساتھ ہر لحاظ سے اچھا سلوک کرنا، یہ تمام باقی رہنے والی نیکیاں ہیں یہی وہ نیکیاں ہیں جن کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر ہے اور انہی سے اچھی امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں۔ ان کا اجر و ثواب باقی رہتا ہے اور ابد الابد تک بڑھتا ہے۔ ان کے اجر و ثواب اور نفع کی ضرورت کے وقت امید کی جاسکتی ہے۔

پس یہی وہ کام ہیں کہ سبقت کرنے والوں کو ان کی طرف سبقت کرنی چاہیے، عمل کرنے والوں کو انہی کے لئے آگے بڑھنا چاہیے اور جدوجہد کرنے والوں کو ان کے حصول کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے۔ غور کیجئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کے حال اور اس کے اضمحلال کی مثال دی تو اس کی دو قسمیں بیان کیں:

(۱) دنیاوی زندگی کی زیب و زینت جس سے انسان بہت کم فائدہ اٹھاتا ہے۔ پھر بغیر کسی فائدے کے یہ دنیا زائل ہو جاتی ہے اور اس کا نقصان انسان کی طرف لوٹتا ہے بلکہ بسا اوقات اس کا نقصان اس کیلئے لازم ہو جاتا ہے۔ یہ مال اور بیٹے ہیں۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے جو انسان کے لئے ہمیشہ باقی رہتی ہے اور وہ ہیں باقی رہنے والی نیکیاں۔

وَيَوْمَ نُسِِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ

اور جس دن چلائیں گے ہم پہاڑوں کو اور آپ دیکھیں گے زمین کو صاف کھلی ہوئی اور اکٹھا کریں گے ہم انکو، پس نہ چھوڑیں گے ہم ان میں سے

أَحَدًا ۝ وَعَرَضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ ثُمَّ

کسی کو اور پیش کئے جائیں گے وہ آپ کے رب پر صفیں بنائے ہوئے (کہا جائے گا) البتہ تحقیق آئے ہو تم ہمارے پاس جیسے پیدا کیا ہم نے تمہیں پہلی بار،



بَلْ زَعَمْتُمْ اَللَّٰنَ نَجْعَلْ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝۳۸ وَوَضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرٰى الْمُجْرِمِيْنَ

بلکہ تم تو خیال کرتے تھے کہ ہرگز نہیں مقرر کریں گے ہم تمہارے لئے وعدہ گا۔ اور کھے جائیں گے نملہ اعمال پس دیکھیں گے آپ مجرموں کو مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُولُوْنَ يُوَيَّلْتَنَا مَا لِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ کہ وہ ڈرنے والے ہوں گے اس سے جو کچھ اس میں ہے، اور کہیں گے، ہائے ہماری کم بختی! کیا ہے اس نملہ اعمال کو نہیں چھوڑ رہا صَغِيْرَةً وَلَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصٰهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا کسی چھوٹے (عمل) کو اور نہ بڑے کو، مگر اس نے شمار کر رکھا ہے اس کو، اور وہ پائیں گے، جو عمل کئے تھے انہوں نے، حاضر۔

وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝۳۹

اور نہیں ظلم کرے گا آپ کا رب کسی پر بھی ○

اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کے دن کا حال بیان کرتا ہے کہ اس میں پریشان کن ہولناکیاں اور تڑپا دینے والی سختیاں ہوں گی چنانچہ فرمایا: ﴿وَيَوْمَ تُسْپَرُ اَلْجِبَالُ﴾ ”اور جس دن ہم چلائیں گے پہاڑ“، یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ان کی جگہ سے ہٹا کر ان کو ریت کے ٹیلے بنا دے گا، پھر ان کو دھنکی ہوئی اون کی مانند کر دے گا پھر وہ مضحل ہو کر غبار کی مانند اڑ جائیں گے اور زمین ایک ہموار میدان نظر آئے گی جس میں کوئی شیب و فراز نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس زمین پر تمام مخلوق کو اکٹھا کرے گا کسی کو باقی نہیں چھوڑے گا۔ وہ اگلوں پچھلوں سب کو صحراؤں کے پیٹوں سے اور سمندروں کی گہرائیوں سے نکال کر ایک جگہ اکٹھا کرے گا۔ جب ان کے اجزا اکٹھے ہوں گے اور وہ پارہ پارہ ہو چکے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو نئی زندگی عطا کرے گا۔

پس لوگ صفیں باندھے اس کے سامنے پیش ہوں گے تاکہ وہ ان سے جواب دی کرے ان کے اعمال دیکھ کر ان کے بارے میں عدل پر مبنی فیصلہ کرے گا جس میں کوئی ظلم و جور نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا: ﴿لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ”تم اسی طرح ہمارے سامنے حاضر ہو گئے ہو، جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ (اکیلا اکیلا) پیدا کیا تھا“، یعنی لوگ مال و متاع، اہل و عیال اور قبیلے کنبے کے بغیر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں گے۔ ان کے ساتھ صرف وہی اعمال ہوں گے جو وہ کرتے رہے تھے اور نیکی اور بدی ساتھ ہوگی جس کا اکتساب کرتے رہے ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَّرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ وَمَا تَرٰی مَعَكُمْ شُفَعَاۤءُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُُمْ فِيْكُمْ شُرَكَآءُ﴾ (الانعام: ۹۴: ۱۶) ”تم اسی طرح ہمارے سامنے تنہا حاضر ہو گئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ (اکیلا اکیلا) پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا تھا تم اسے اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو اور ہمیں تمہارے ساتھ تمہارے وہ سفارشی بھی نظر نہیں آتے جن کے متعلق تم سمجھتے تھے کہ وہ اللہ کے شریک ہیں“۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ منکرین آخرت سے مخاطب ہو کر فرمائے گا جب کہ وہ اس کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر لیں گے: ﴿بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَنْ نَّجْعَلَ لَكُم مَّوْعِدًا﴾ لیکن تم نے یہ خیال کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہارے لیے کوئی وقت مقرر ہی نہیں کیا۔ یعنی تم اعمال کی سزا و جزا کا انکار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ اس جزا و سزا کا وعدہ کر رکھا تھا! لو! اس کا وعدہ آگیا تم نے اسے دیکھ لیا اور اس کا مزا چکھ لیا۔ اس وقت وہ اعمال نامے حاضر کئے جائیں گے جن کو کراما کا تین لکھا کرتے تھے۔ ان کو دیکھ کر دل اڑنے لگیں گے ان کے وقوع سے غم اور مشتقتیں بڑھ جائیں گی۔ جن کو دیکھ کر ٹھوس اور سخت چٹائیں بھی پگھل جائیں گی اور مجرم ڈریں گے۔ جب وہ دیکھیں گے کہ ان اعمال ناموں میں ان کے اعمال لکھے ہوئے ہیں اور ان کے تمام اقوال و افعال ان اعمال ناموں میں محفوظ ہیں تو بول اٹھیں گے: ﴿يَوَيْلَنَا مَا لَ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَّ لَا كَبِيرَةً اِلَّا اَحْصَاهَا﴾ ”ہائے افسوس! کیسی ہے یہ کتاب، نہیں چھوڑا اس نے چھوٹی بات کو نہ بڑی بات کو، مگر اس نے ان کو شمار کر لیا۔“ یعنی کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ ایسا نہیں جو اس میں لکھا ہوا اور محفوظ نہ ہو اور کوئی کھلا یا چھپا رات کے وقت کیا ہو یا دن کے وقت کیا ہو یا گناہ ایسا نہیں جو بھولے سے لکھنے سے رہ گیا ہو۔

﴿وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا﴾ ”اور پائیں گے جو کچھ انہوں نے کیا سامنے۔“ وہ اس کا انکار نہیں کر سکیں گے ﴿وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ ”اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔“ اس وقت ان کو ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی وہ ان اعمال کا اقرار کریں گے ان اعمال کی بنا پر رسوا ہوں گے اور ان پر عذاب واجب ہو جائے گا۔ ﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتِ اَيْدِيَكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلّٰمٍ لِّلْعٰبِدِيْنَ﴾ (آل عمران: ۱۸۲/۳ الانفال: ۵۱/۸) ”یہ سب کچھ ان اعمال کی جزا ہے جو تم نے آگے بھیجے تھے اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔“ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و عدل سے باہر نہیں نکلیں گے۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّا اِبْلِیْسَ ط كَانَ مِنَ الْجِنِّ اور (یاد کرو) جب کہا ہم نے فرشتوں سے، سجدہ کرو تم آدم کو تو سجدہ کیا انہوں نے مگر ابلیس نے (نہ کیا)، تھا وہ جنوں میں سے، فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ط اَفْتَتَّخِذُوْٓنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَ هُمْ پس نافرمانی کی اس نے حکم کی، اپنے رب کے، کیا پھر (بھی) بناتے ہو تم اسے اور اس کی اولاد کو دوست میرے سوا؟ حالانکہ وہ

لَكُمْ عَدُوٌّ ط بِئْسَ لِلظَّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝۵۰

تمہارے دشمن ہیں برا ہے ظالموں کے لئے از روئے بدل کے ۵۰

اللہ تبارک و تعالیٰ آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے ساتھ ابلیس کی عداوت کا ذکر کرتا ہے، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم اور اپنے حکم کی تعمیل کے لیے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں۔ پس انہوں نے حکم



کی تعمیل کی۔ ﴿إِلَّا ابْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ﴾ سوائے ابلیس کے وہ جنوں میں سے تھا پس اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی اور کہنے لگا ﴿ءَاسْجُدْ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا﴾ (بنی اسرائیل: ۶۱/۱۷) ”کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا۔“ اور کہا: ﴿أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ﴾ (الاعراف: ۱۲/۷) ”میں اس سے بہتر ہوں۔“ اس سے واضح ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور تمہارے جد امجد سے عداوت رکھتا ہے پھر کیسے تم اس کو اور اس کی ذریت کو دوست بناتے ہو؟ ﴿يَنْسُ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا﴾ براہ ظالموں کے لیے بدل، یعنی کتنی بری ہے شیطان کی دوستی اور سرپرستی جو انہوں نے اپنے لئے جہنمی ہے جو انہیں صرف نفس اور برے کاموں کا حکم دیتا ہے اور رب رحمن کی دوستی اور سرپرستی چھوڑ دی جس کی دوستی میں ہر قسم کی سعادت فلاح اور سرور ہے۔

اس آیت کریمہ میں پر زور ترغیب ہے کہ شیطان کو دشمن سمجھا جائے اور وہ سبب بھی بیان کر دیا گیا جو اس کو دشمن قرار دینے کا موجب ہے نیز یہ بھی واضح کر دیا کہ صرف ظالم شخص ہی اس کو اپنا دوست قرار دیتا ہے اور اس شخص کے ظلم سے بڑھ کر کون سا ظلم ہو سکتا ہے جو اپنے حقیقی دشمن کو دوست سمجھے اور اپنے حقیقی اور قابل تعریف دوست کو چھوڑ دے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَهُمُ الظَّالِمُونَ يُخْرِجُوهُمْ مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ﴾ (البقرة: ۲۵۷/۲) ”اللہ ان لوگوں کا دوست اور مددگار ہے جو ایمان لائے وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور وہ لوگ جو کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کے والی اور مددگار ظالموت ہیں جو ان کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔“ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّهُمْ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ اللَّهِ﴾ (الاعراف: ۳۰/۱۷) ”انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو دوست اور سرپرست بنالیا ہے۔“

مَا أَشْهَدُ لَهُمُ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُمْ مُتَعَدِّينَ

نہیں گواہ بنایا تھا میں نے ان کو پیدائش میں آسمانوں اور زمین کی، اور نہ پیدائش میں ان کی اپنی ہی اور نہیں میں بنانے والا

الْمُضِلِّينَ عَصُدًا ۝ وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَائِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ

گمراہ کرنے والوں کو بازو (مددگار) اور جس دن کہے گا اللہ، بلاؤ تم میرے ان شریکوں کو جن کا دعویٰ کرتے تھے تم،

فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُم مَّوْبِقًا ۝

تو وہ بلائیں گے انہیں، سو نہیں جواب دیں گے وہ ان کو، اور بنادیں گے ہم ان کے درمیان ہلاکت گاہ ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ”میں نے شیاطین (اور ان گمراہی پھیلانے والوں) کو گواہ نہیں بنایا“ ﴿خَلَقَ

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ﴾ ”آسمانوں، زمین اور ان کی اپنی تخلیق پر۔“ یعنی میں نے ان کی پیدائش

پر ان کو حاضر کیا نہ ان سے مشورہ لیا۔ پھر وہ ان میں سے کسی چیز کے خالق کیسے کہلا سکتے ہیں؟ بلکہ اللہ تعالیٰ تخلیق و

تدبیر اور حکمت و تقدیر میں یکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی تمام اشیاء کا خالق ہے اور وہی اپنی حکمت سے ان میں تصرف کرتا ہے پس کیسے شیاطین کو اللہ کے شریک ٹھہرایا جاتا ہے ان کو والی و مددگار بنایا جاتا ہے اور ان کی اسی طرح اطاعت کی جاتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی جاتی ہے حالانکہ انہوں نے کچھ پیدا کیا ہے نہ کائنات کی پیدائش پر وہ حاضر تھے اور نہ کائنات کی پیدائش پر اللہ تعالیٰ کے معاون و مددگار تھے؟ اسی لیے فرمایا: ﴿وَمَا كُنْتَ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عِصْدًا﴾ ”اور نہیں ہوں میں کہ گمراہ کرنے والوں کو مددگار بناؤں“ یعنی اللہ تعالیٰ کے کسی کام میں معاونین کا ہونا اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں اور نہ یہ مناسب ہے کہ وہ تدبیر کائنات کا کچھ حصہ ان کے سپرد کر دے کیونکہ وہ تو مخلوق کو گمراہ کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور اپنے رب کی عداوت پر کمر بستہ رہتے ہیں اس لیے وہ اسی لائق ہیں کہ وہ ان کو دور رکھے اور اپنے قریب نہ آنے دے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا حال بیان کیا جنہوں نے دنیا میں اس کے ساتھ شرک کیا تھا اور ان کے شرک کا پوری طرح ابطال کیا اور شرک پر جہالت اور سفاہت کا حکم لگایا تو قیامت کے روز ان کے خود ساختہ شریکوں کی معیت میں ان کا جو حال ہوگا وہ بھی بیان کر دیا چنانچہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا: ﴿نَادُوا شُرَكَاءِي﴾ ”پکارو میرے شریکوں کو“ یعنی تمہارے اپنے زعم باطل کے مطابق میرے جو شریک ہیں ان سب کو بلا لو۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ زمین و آسمان میں کوئی اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں یعنی اب ان خود ساختہ شریکوں کو بلا لوتا کہ تمہیں کوئی فائدہ دے سکیں اور تمہیں ان سختیوں سے نجات دلا سکیں۔ ﴿فَلَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ﴾ ”پس یہ ان کو پکاریں گے مگر وہ ان کو جواب نہ دیں گے۔“ اس لیے کہ اس روز اقتدار اور فیصلے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہوگا کسی ہستی کے پاس ذرہ بھر بھی اختیار نہیں ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو یا کسی اور کو کوئی نفع پہنچا سکے: ﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ﴾ ”اور کر دیں گے ہم ان کے درمیان“ یعنی مشرکین اور ان کے شریکوں کے درمیان ﴿مُؤَبِّقًا﴾ ”ہلاکت کا سامان“ یعنی ہلاکت کا گڑھا ان کے درمیان حائل کر دیں گے جو ان کو جدا کر دے گا اور ان کو ایک دوسرے سے دور کر دے گا۔ اس وقت ان کی ایک دوسرے کے ساتھ عداوت ظاہر ہو جائے گی ان کے خود ساختہ شرکاء ان کا انکار کریں گے اور ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كُفْرِينَ﴾ (الاحقاف: ۶۱، ۶۲) ”جب تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو اس وقت وہ اپنے پکارنے والوں کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا انکار کریں گے۔“

وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝

اور دیکھیں گے مجرم لوگ آگ کو تو گمان کریں گے کہ وہ کیٹشک وہ گرنیوالے ہیں اس میں اور نہیں پائیں گے وہ اس سے پھرنے (بچنے) کی جگہ ۝ جب قیامت کے روز حساب کتاب ختم ہو جائے گا اور مخلوق میں سے ہر گروہ اپنے اعمال کی بنا پر علیحدہ ہو



جائے گا اور مجرموں کے بارے میں عذاب کا وعدہ پورا ہو جائے گا۔ پس وہ جہنم میں داخل ہونے سے قبل جہنم کو دیکھیں گے اور گھبرا جائیں گے اور یہ یقین کر کے کہ ان کو اس میں پھینکا جائے گا ان کا قلق بڑھ جائے گا۔ آیت کریمہ میں مذکور (ظن) کے بارے میں اہل تفسیر کہتے ہیں کہ یہاں (ظن) سے مراد یقین ہے۔ پس انہیں یقین ہو جائے گا کہ وہ ضرور جہنم میں داخل ہوں گے۔ ﴿وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا﴾ اور نہیں پائیں گے وہ اس سے پھر جانے کی جگہ، یعنی کوئی جائے پناہ نہیں جہاں وہ پناہ لے سکیں اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی ان کی سفارش نہیں کر سکے گا۔ اس آیت کریمہ میں تخویف و ترہیب ہے جس سے دل کا نپ اٹھتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَكَانَ

اور البتہ تحقیق پھر پھر کر بیان کی ہے ہم نے، اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثال، اور ہے

الْإِنْسَانُ أَكْثَرُ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۲﴾

انسان تمام چیزوں سے زیادہ جھگڑا لو ○

اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن مجید کی عظمت و جلالت اور اس کے عموم کا ذکر کرتے ہوئے آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے قرآن کریم میں ہر قسم کی مثال بیان کی ہے یعنی ہر وہ راستہ واضح کر دیا ہے جو علوم نافعہ اور سعادت ابدیہ تک پہنچاتا ہے اور ہر اس طریق سے آگاہ فرمادیا ہے جو انسان کو شر اور ہلاکت سے بچاتا ہے۔ پس اس قرآن کریم میں حلال و حرام، جزائے اعمال، ترغیب و ترہیب کی مثالیں ہیں، سچی خبریں ہیں جو اعتقاد طمانینت اور روشنی کے اعتبار سے دلوں کے لئے فائدہ مند ہیں۔ یہ چیز واجب ٹھہرتی ہے کہ قرآن کریم کو اطاعت و انقیاد اور کسی بھی امر میں عدم منازعت کے ساتھ تسلیم کیا جائے..... مگر اس کے باوجود اکثر لوگ، حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی باطل دلائل کے ساتھ حق کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ ﴿لِيَذُنَّ حَضْرَاهُ الْحَقَّ﴾ (الکھف: ۵۶/۱۸) ”تا کہ حق کو نچا دکھائیں۔“ بنا بریں فرمایا: ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرُ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ اور ہے انسان سب چیز سے زیادہ جھگڑا لو، یعنی بہت جھگڑا لو اور بحثیں کرنے والا ہے حالانکہ یہ اس کے لائق ہے نہ یہ قرین انصاف ہے اور اس کا اللہ پر ایمان نہ لانے کا سبب یہ نہیں کہ اس کو بیان کرنے اور اس کی حجت و برہان کو واضح کرنے میں کوئی کمی رہ گئی ہے بلکہ ظلم و عناد ان کے اس رویے کا موجب ہے۔ ورنہ اگر ان پر عذاب اور وہ سختیاں اور مصیبتیں آ جاتیں جو پہلے لوگوں پر آئی تھیں تو ان کا یہ حال نہ ہوتا اس لئے فرمایا:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا

اور نہیں منع کیا لوگوں کو (اس سے) کہ ایمان لائیں وہ، جب آگئی انکے پاس ہدایت، اور مغفرت طلب کریں اپنے رب سے، مگر

أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةٌ الْأُولَىٰ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۳﴾

(اس بات نے) کہ (پیش) آئے ان کو معاملہ پہلے لوگوں کا (سا)، یا آئے ان کے پاس عذاب مختلف قسم کا ○

یعنی لوگوں کو ایمان لانے سے کس چیز نے منع کیا ہے حالانکہ ہدایت جس سے راہ راست اور گمراہی، حق اور باطل کے درمیان فرق واضح ہوتا ہے ان تک پہنچ چکی ہے اور ان پر حجت قائم ہو چکی ہے..... ان کے ایمان نہ لانے کی یہ وجہ بھی نہیں کہ حق واضح نہیں ہوا بلکہ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ ظلم و تعدی ہے۔ پس اب کوئی چیز باقی نہیں رہی سوائے اس کے کہ سنت الہی کے مطابق وہی عذاب آجائے جو پہلی قوموں پر آیا تھا؟ جب وہ ایمان نہ لاتے تو ان پر عذاب بھیج دیا جاتا یا عذاب ان کے سامنے آ جاتا اور وہ اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لیتے..... مطلب یہ ہے کہ پس انہیں ڈرنا چاہیے اور اپنے کفر سے توبہ کر لینی چاہیے قبل اس کے کہ ان پر عذاب ٹوٹ پڑے جسے روکا نہیں جاسکتا۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا

اور نہیں بھیجتے ہم رسولوں کو مگر خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے (بنا کر ہی) اور جھگڑا کرتے ہیں، وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا

بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوا آلِيتِي وَمَا أُنذِرُوا هُزُوًا ﴿۱۶﴾

ساتھ باطل کے تاکہ باطل کر دیں ساتھ اس کے حق کو، اور بنالیا انہوں نے میری آیتوں کو اور اس چیز کو کہ ڈرائے گئے تھے وہ اس سے ٹھٹھا مذاق

یعنی ہم رسولوں کو بعثت اور بے فائدہ نہیں بھیجتے نہ ان کو اس لئے مبعوث کرتے ہیں کہ لوگ ان کو معبود بنالیں اور نہ اس لئے کہ وہ خود معبود ہونے کا دعویٰ کریں بلکہ ہم نے انہیں صرف اس لئے مبعوث کیا ہے تاکہ وہ لوگوں کو ہر بھلائی کی طرف بلائیں اور ہر برائی سے روکیں، اطاعت کرنے پر ان کو دنیاوی اور اخروی ثواب کی خوشخبری سنائیں اور نافرمانی کرنے پر دنیاوی اور اخروی عذاب سے ڈرائیں۔ پس رسولوں کو بھیج کر اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر حجت قائم ہوگئی۔ بایں ہمہ ظالم کفار باطل ہتھکنڈوں کے ساتھ حق کو نیچا دکھانے کے لئے جھگڑتے ہیں۔ پس جہاں تک ممکن ہوا کفار حق کے ابطال اور اس کے نیچا دکھانے کے لئے باطل کی مدد میں کوشاں رہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور اس کی آیات کا تمسخر اڑایا اور ان کے پاس جو کچھ علم تھا اسی پر اترتے رہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کئے بغیر نہیں رہتا اگرچہ کفار کو یہ بات ناپسند ہی کیوں نہ ہو وہ حق کو باطل پر غالب کرتا ہے۔ ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْحَضُ فَيَذَرُاهُ ذَا هِيَ﴾ (الانبیاء: ۱۸۱/۲۱) ”بلکہ ہم تو باطل پر حق کے ذریعے سے چوٹ لگاتے ہیں جو اس کو نیست و نابود کر دیتی ہے اور باطل دیکھتے ہی دیکھتے مٹ جاتا ہے۔“

یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی رحمت ہے کہ اس کا باطل ہتھکنڈوں کے ذریعے سے حق کے خلاف جھگڑنے والے باطل پسندوں کو مقرر کرنا، حق کے ظہور اور اس کے شواہد و دلائل کی توضیح، باطل اور اس کے فساد کے ظاہر ہونے کا سب سے بڑا سبب ہے۔ کیونکہ: (بضدھا تبتین الاشیاء) ”اشیاء اپنی ضد ہی سے واضح ہوتی ہیں۔“

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدْ مَتُ

اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے کہ وہ نصیحت کیا گیا ساتھ آیات کے اپنے رب کی تو اعراض کیا اس نے ان سے، اور بھول گیا وہ، جو کچھ کہا گئے بھیجا تھا



يَذُهُ إِذَا جَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا

اسکے دونوں ہاتھوں نے، بلاشبہ ہم نے کر دیئے اوپر انکے دلوں کے پردے (اس سے) کہ وہ سمجھیں اس (قرآن) کو، اور ان کے کانوں میں ڈاٹ

وَأِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَى فَلَنْ يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ۝۵۰ وَرَبُّكَ الْغَفُورُ

اور اگر آپ بلائیں ان کو ہدایت کی طرف تو ہرگز نہ ہدایت پائیں گے وہ اس وقت کبھی بھی ○ اور آپ کا رب تو بہت بخشنے والا،

ذُو الرَّحْمَةِ ط لَوْ يُوَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابُ بَلْ لَهُم

رحمت والا ہے، اگر وہ پکڑے ان کو بہ سبب ان کے جو (عمل) کمائے انہوں نے تو یقیناً جلدی لے آئے ان پر عذاب، بلکہ ان کیلئے

مَوْعِدٌ لَّنْ يَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْيلًا ۝۵۱ وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ

ایک مقررہ وقت ہے ہرگز نہیں پائیں گے وہ سوائے اسکے کوئی جائے پناہ ○ اور یہ بستیوں، ہلاک کیا ہم نے ان (کے باشندوں) کو،

لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِبَهْلِكِهِمْ مَوْعِدًا ۝۵۲

جب انہوں نے ظلم کیا، اور کر دیا ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک مقررہ وقت ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اس بندے سے بڑھ کر کوئی ظالم اور اس سے بڑا کوئی مجرم نہیں جسے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ذریعے سے نصیحت کی جائے اس کے سامنے حق اور باطل، ہدایت اور ضلالت کو واضح کر دیا گیا ہو اسے برے انجام سے ڈرایا گیا اور آخرت کے ثواب کی ترغیب دی گئی ہو..... اور وہ روگردانی کرے، نصیحت نہ پکڑے اپنے کرتوتوں سے باز نہ آئے اور اپنے ہاتھوں کی کمائی سے انجان بنا رہے اور اللہ علام الغیوب کو اپنے اوپر نگران نہ سمجھے۔ پس یہ اس روگرداں شخص کے ظلم سے بڑا ظلم ہے جس کے پاس اللہ تعالیٰ کی آیات نہیں پہنچیں اور اس کو ان آیات کے ذریعے سے نصیحت نہیں کی گئی..... یہ بھی اگرچہ ظالم ہے مگر وہ پہلا شخص اس سے زیادہ بڑا ظالم ہے کیونکہ علم اور بصیرت رکھتے ہوئے گناہ کرنے والا لاعلمی سے گناہ کرنے والے سے زیادہ بڑا گناہ گار ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آیات الہی سے اس کے اعراض اپنے گناہوں کو بھول جانے اور حالت شر پر راضی رہنے کے سبب سے اس کو سزا دی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے علم ہے کہ ہدایت کے دروازے اس پر بند ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے قلب پر پردے ڈال دیئے ہیں یعنی مضبوط پردوں نے اس کو آیات الہی کے تفقہ سے محروم کر رکھا ہے اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو سنتا ہے مگر ان میں ایسا تفقہ حاصل کرنا جو قلب کی گہرائی میں اتر جائے اس کے بس کی بات نہیں۔

﴿وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے، یعنی ان کے کانوں میں گرانی ہے جو ان کو آیات

الہی کے فائدہ مند سامع سے محروم کر دیتی ہے اور اگر وہ اسی حالت میں رہیں تو ان کی ہدایت کا کوئی راستہ نہیں۔

﴿وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَنْ يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا﴾ اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف بلائیں تو ہرگز ہدایت پر

نہ آئیں اس وقت کبھی“ کیونکہ داعی ہدایت کی دعوت پر اسی شخص کے لبیک کہنے کی امید ہوتی ہے جو علم نہیں کھتا۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے آیات الہی کو خوب دیکھا، بھالا پھر اندھے پن کا مظاہرہ کیا، انہوں نے راہ حق کو پہچان لیا مگر اسے چھوڑ دیا اور گمراہی کی راہ پر گامزن ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی یہ سزا دی کہ ان کے دلوں پر تالے ڈال دیئے اور ان پر مہر لگا دی..... تو ان لوگوں کی ہدایت کا کوئی راستہ اور کوئی حیلہ نہیں۔

اس آیت کریمہ میں اس شخص کے لئے تنخویف و ترہیب ہے جو حق کو پہچان لینے کے بعد اسے ترک کر دے اور یہ کہ اس کے اور حق کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی جائے اور اس کے بعد اس کے لیے کوئی چیز ایسی نہ رہے جو اس کے حق میں اس سے بڑھ کر ڈرانے والی اور اس غلط روی سے اسے روکنے والی ہو۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی بے پایاں مغفرت اور رحمت کا ذکر کیا ہے نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخش دیتا ہے جو کوئی توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے اور اسے اپنی رحمت سے ڈھانپ لیتا ہے اور اسے اپنے احسان میں شامل کر لیتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ان کے گناہوں پر گرفت کرے تو ان پر فوراً عذاب بھیج دے مگر وہ حلم والا ہے وہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا وہ اپنے بندوں کو مہلت دیتا ہے مہمل نہیں چھوڑتا، جبکہ گناہوں کے آثار کا واقع ہونا ضروری امر ہے اگرچہ اس میں طویل مدت تک تاخیر ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے فرمایا:

﴿بَلْ لَهُمْ مَوْعِدٌ لَّنْ يَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْعِدًا﴾ بلکہ ان کے لیے ایک وعدہ ہے، ہرگز نہیں پائیں گے اس سے ورے سرک جانے کو جگہ، یعنی ان کے لئے ایک وقت مقرر ہے جس میں انہیں ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ یہ جزا انہیں ضرور ملے گی اور اس جزا و سزا سے بچنے کی ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ اس سے بچنے کے لئے کوئی پناہ گاہ ہے نہ کوئی جائے فرار..... اولین و آخرین میں یہی سنت الہی ہے کہ وہ عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ وہ انہیں توبہ اور انابت کی طرف بلاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر کے رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بخش دیتا ہے اور ان کو اپنی رحمت کے سائے میں لے کر ان سے عذاب کو ہٹا دیتا ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے ظلم اور عناد پر جمے رہیں اور وقت مقررہ آجائے تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب نازل کر دیتا ہے۔ بنا بریں فرمایا: ﴿وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا﴾ اور یہ بستیاں ہم نے ان کو ہلاک کر دیا جب انہوں نے ظلم کیا، یعنی ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ خود ان کے ظلم کی بنا پر ہم نے انہیں ہلاک کیا۔ ﴿وَجَعَلْنَا لِهَيْلِكِهِمْ مَوْعِدًا﴾ اور مقرر کیا تھا ہم نے ان کی ہلاکت کا ایک وعدہ، یعنی ایک وقت مقرر جس سے وہ آگے ہوئے نہ پیچھے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ

اور (یاد کرو) جب کہاموسیٰ نے اپنے جوان (یوشع) سے، میں ہمیشہ (چلتا رہوں گا یہاں تک کہ پہنچ جاؤں میں مجمع البحرین پر یا چلتا رہوں گا میں

حَقْبًا ﴿٦﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ

مدت ہائے دراز تک وہاں جب وہ دونوں پہنچے طے کی جگہ پر دونوں (سمندروں) کی تو وہ دونوں بھول گئے مچھلی اپنی، سو بنا لیا اس نے اپنا راستہ سمندر میں



سَرَبًا ۶۱) فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتْنِهِ اٰتِنَا غَدَاةَنَا ۙ لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا  
 سرنگ (کی مثل) پس جب آگے گزر گئے وہ دونوں تو موسیٰ نے کہا اپنے جوان سے بڑے ہمیں ہمارا ناشتہ، البتہ تحقیق دو چار ہوئے ہیں ہم اپنے اس سفر میں  
 نَصَبًا ۶۲) قَالَ اَرَاَيْتَ اِذَا اَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا اَنْسَيْنِيْهِ  
 تھکاوٹ سے اس نے کہا، بھلا دیکھا تو نے؟ جب ٹھہرے تھے ہم چٹان کے پاس تو بلاشبہ بھول گیا میں (وہ) مچھلی، اور نہیں بھلویا مجھے اس کو،  
 اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرْكَ ۖ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ۶۳) قَالَ ذٰلِكَ مَا  
 مگر شیطان ہی نے، یہ کہ یاد کروں میں اسے، اور بتایا اس نے راستہ اپنا سمندر میں عجیب طرح ۱۸ موسیٰ نے کہا، یہی تو ہے وہ جو کچھ  
 كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلَىٰ اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۶۴) فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا  
 تھے ہم چاہتے ہیں واپس لوٹے وہ اپنے نشانات پر، انکا اتباع کرتے ہوئے، ۱۸ پس پایا ان دونوں نے ایک بندے (خضر) کو ہمارے بندوں میں سے  
 اَتَيْنَهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۶۵) قَالَ لَهُ مُوسٰى  
 دی تھی ہم نے اسے رحمت اپنی طرف سے اور سکھایا تھا ہم نے اسے اپنے پاس سے ایک (خاص) علم ۱۸ کہا اس (خضر) سے موسیٰ نے،  
 هَلْ اَتَّبَعَكَ عَلَىٰ اَنْ تُعَلِّمَنِيْ مِمَّا عَلَّمْتَ رُسُلًا ۶۶) قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ  
 کیا میں پیروی کر سکتا ہوں تیری اس (شرط) پر کہ تو سکھائے مجھے اس سے جو سکھائی گئی ہے تجھے بھلائی؟ ۱۸ اس نے کہا، بلاشبہ تو نہیں استطاعت رکھے گا  
 مَعِيَ صَبْرًا ۶۷) وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۶۸) قَالَ سَتَجِدُنِيْ اِنْ  
 میرے ساتھ صبر کی ۱۸ اور کس طرح تو صبر کرے گا اس چیز پر کہ نہیں احاطہ کیا تو نے اسکا باعتبار علم کے؟ ۱۸ موسیٰ نے کہا، یقیناً تو پائے گا مجھے اگر  
 شَاءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَا اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ۶۹) قَالَ فَاِنْ اَتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْأَلْنِيْ  
 چاہا اللہ نے صبر کرنے والا، اور نہیں نافرمانی کروں گا میں تیری کسی حکم کی بھی ۱۸ خضر نے کہا، پس اگر تو پیروی کرنا چاہتا ہے میری تو مت سوال کرنا مجھ سے  
 عَنْ شَيْءٍ حَتّٰى اُحَدِّثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۷۰) فَاَنْطَلَقَا ۭ ۷۱) حَتّٰى اِذَا رَكِبَا  
 کسی چیز کی بابت، یہاں تک کہ میں (خود ہی) کروں تیرے لئے اس کا ذکر ۱۸ پس چلے وہ دونوں، یہاں تک کہ جب سوار ہوئے وہ دونوں  
 فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۙ قَالَ اَخْرَقْتُهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ  
 کشتی میں تو اس (خضر) نے شکاف کر دیا اس میں، موسیٰ نے کہا، کیا تو نے شکاف کیا ہے اس میں تاکہ غرق کر دے اس کشتی والوں کو؟ تحقیق آیا ہے تو  
 شَيْئًا اِمْرًا ۷۲) قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۷۳) قَالَ  
 بہت ہولناک کام کو ۱۸ خضر نے کہا، کیا نہیں کہا تھا میں نے، کہ بیشک تو ہرگز نہیں استطاعت رکھے گا میرے ساتھ صبر کی؟ ۱۸ موسیٰ نے کہا،  
 لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِىْ عُسْرًا ۷۴)  
 نہ مواخذہ کر تو میرا اس پر جو بھول گیا میں، اور نہ ڈال تو مجھ پر میرے (اس) معاملے میں تنگی ۱۸  
 فَاَنْطَلَقَا ۭ ۷۵) حَتّٰى اِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقْتَلْتَنِيْ نَفْسًا  
 پھر چلے وہ دونوں، یہاں تک کہ جب وہ لے ایک لڑکے کو تو قتل کر دیا اسے اس (خضر) نے، موسیٰ نے کہا، کیا قتل کر دیا تو نے ایک نفس

## زَكِيَّةٌ بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا ۝

پاک (بے گناہ) کو؟ تحقیق آیا ہے تو نہایت ہی برے کام کو ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام اور بھلائی اور طلب علم میں ان کی شدید رغبت کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے کہ انہوں نے اپنے خادم سے فرمایا جو سفر و حضر میں ہمیشہ ان کے ساتھ ہوتا تھا اور وہ یوشع بن نون علیہ السلام تھے جن کو بعد میں اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا: ﴿لَا أَنْبِئُكَ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ﴾ ”جب تک میں دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں نہیں“، یعنی میں سفر کرتا رہوں گا خواہ مسافت کتنی ہی طویل اور مشقت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو یہاں تک کہ میں دونوں دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں۔ یہ وہ جگہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی تھی کہ وہاں آپ کو اللہ تعالیٰ کا علم رکھنے والے بندوں میں سے ایک بندہ ملے گا جس کے پاس ایسا علم ہے جو آپ کے پاس نہیں۔ ﴿أَوْ أَمْضَىٰ حَقْبًا﴾ ”خواہ برسوں چلتا رہوں۔“ یعنی طویل مسافت تک چلتا چلا جاؤں گا۔ معنی یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے شوق اور رغبت کی بنا پر اپنے نو جوان خادم سے یہ بات کہی اور یہ ان کا عزم جازم تھا جس کی بنا پر انہوں نے اپنا سفر جاری رکھا۔

﴿فَلَمَّا بَلَغَا﴾ ”پھر جب دونوں پہنچے“ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کا خادم ﴿مَجْمَعَ بَيْنَهُمَا نَسِيًا حُوتَهُمَا﴾ ”دونوں دریاؤں کے ملاپ تک تو بھول گئے اپنی مچھلی“ ان کے ساتھ مچھلی تھی جو ان کے لئے زادراہ تھی جسے وہ تناول کرتے تھے اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کے ساتھ وعدہ فرمایا تھا کہ جہاں یہ مچھلی غائب ہو جائے گی وہیں وہ بندہ رہتا ہے جس کے پاس جانے کا آپ قصد رکھتے ہیں۔ مچھلی نکل کر دریا میں چلی گئی یہ ایک معجزہ تھا۔ مفسرین نے کہا ہے کہ وہ مچھلی جسے انہوں نے زادراہ کے طور پر لیا تھا وہ جب اس مقام پر پہنچے تو اسے دریا کی نمی پہنچی اور وہ اللہ کے حکم سے کھسک کر دریا میں چلی گئی اور زندہ ہو کر دیگر حیوانات میں شامل ہو گئی۔

جب موسیٰ علیہ السلام اور ان کا نو جوان خادم اس سنگم سے آگے بڑھ گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا: ﴿أَتِنَا عِدَّةَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا﴾ ”لا ہمارے پاس ہمارا کھانا“ تحقیق ہم نے پائی اس سفر میں تکلیف“، یعنی ہم اس سفر سے جو اس سنگم سے متجاوز سفر تھا تھک گئے ہیں ورنہ اتنا طویل سفر جو انہوں نے دونوں دریاؤں کے سنگم تک کیا اس میں نہیں تھکے تھے۔ یہ ایک علامت اور نشانی تھی جو موسیٰ علیہ السلام کے لئے دلیل تھی کہ انہوں نے اپنا مقصد پالیا ہے نیز اس منزل پر پہنچنے کے شوق نے ان کے لئے سفر کو آسان بنا دیا جب وہ اس مقام سے آگے بڑھ گئے تو انہوں نے تھکاوٹ محسوس کی۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے یہ بات کہی تو اس نے جواب دیا: ﴿أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحَوْتَ وَمَا أَنْسَيْنِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَن أَذْكُرَكَ﴾

”کیا دیکھا آپ نے جب ہم نے جگہ پکڑی اس پتھر کے پاس سو میں بھول گیا مچھلی اور یہ شیطان ہی نے مجھے اس کا



ذکر کرنے سے بھلا دیا۔“ کیونکہ وہ بھول جانے کا سبب بنا۔ ﴿وَإِتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَعْرِ عَجَبًا﴾ اور پکڑ اس نے اپنا راستہ دریا میں عجیب طرح، یعنی جب مچھلی دریا میں چلی گئی تو یہ چیز عجائبات میں سے تھی۔ مفسرین کہتے ہیں کہ مچھلی کا پانی میں چلے جانا موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم کے لئے بڑا تعجب خیز تھا۔

جب موسیٰ علیہ السلام کے خادم نے یہ بات کہی..... اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا ہوا تھا کہ جہاں مچھلی غائب ہو جائے گی وہیں حضرت خضر کو پائیں گے..... تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغُ﴾ ”یہی تو ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے۔“ یعنی یہی جگہ مطلوب تھی۔ ﴿فَارْتَدَّ﴾ پھر اگلے پھرے وہ دونوں، یعنی واپس لوٹے ﴿عَلَىٰ أَثَرِهِمَا قَصَصًا﴾ ”اپنے پاؤں کے نشان پیچانتے ہوئے“ یعنی اپنے قدموں کے نشانات پر چلتے ہوئے واپس اس جگہ پہنچے جہاں مچھلی بھول گئے تھے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو انہوں نے وہاں ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا اور وہ خضر علیہ السلام تھے وہ ایک صالح شخص تھے اور صحیح مسلک یہ ہے کہ وہ نبی نہ تھے۔

﴿أَتَيْنَهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا﴾ جس کو ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی تھی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی خاص رحمت سے نوازا تھا جس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ علم اور حسن عمل سے بہرہ ور تھے۔ ﴿وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ ”اور سکھایا تھا اس کو اپنے پاس سے ایک علم۔“ حضرت خضر کو وہ علم عطا کیا گیا تھا جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا نہیں کیا گیا تھا۔ اگرچہ موسیٰ علیہ السلام بہت سے امور میں سے ان سے زیادہ علم رکھتے تھے خاص طور پر علوم ایمانیہ اور علوم اصولیہ کیونکہ حضرت موسیٰ اولوالعزم رسولوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے علم و عمل کے ذریعے سے تمام مخلوق پر فضیلت سے نوازا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر سے ملے تو ازراہ ادب و مشاورت اور اپنا مقصد بیان کرتے ہوئے ان سے کہا: ﴿هَلْ أَتَيْكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عَلَّمْتَ رُشْدًا﴾ یعنی کیا میں آپ کی پیروی کروں کہ آپ مجھے وہ علم سکھادیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کر رکھا ہے تاکہ اس کے ذریعے سے میں رشد و ہدایت کی راہ پاسکوں اور اس علم کے ذریعے سے ان تمام قضیوں میں حق کو پہچان سکوں؟ خضر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے الہام و کرامت سے نوازا ہوا تھا جس کی وجہ سے انہیں بہت سی چیزوں کے اسرار نہاں کی جو دوسرے لوگوں پر مخفی تھے حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام پر بھی مخفی تھے اطلاع ہو جاتی تھی۔ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں ایسا کرنے سے انکار نہیں کرتا لیکن ﴿لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ ”آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر پائیں گے۔“ یعنی آپ کو میرے ساتھ رہنے اور میری پیروی کرنے کی قدرت حاصل نہیں کیونکہ آپ ایسے امور ملاحظہ کریں گے جن کا ظاہر برا اور باطن اس کے برعکس ہوگا۔ بناء بریں خضر علیہ السلام نے فرمایا: ﴿وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا﴾ ”اور کیوں کر صبر کریں گے آپ ایسی چیز پر کہ جس کا سمجھنا آپ کے بس میں نہیں۔“ یعنی آپ کسی ایسے معاملے میں کیسے صبر کر سکتے ہیں جس کے ظاہر و باطن کا آپ کو علم ہے نہ اس کے مقصد و مآل کا۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا﴾ ”اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔“ جس چیز کے بارے میں امتحان تھا اس کے سامنے آنے سے پہلے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عزم کا اظہار تھا۔ عزم ایک الگ چیز ہے اور صبر کا وجود ایک دوسری چیز ہے اس لئے جب وہ امر واقع ہوا تو موسیٰ علیہ السلام اس پر صبر نہ کر سکے۔ اس وقت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ﴿فَإِنْ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا﴾ ”پس اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو مت پوچھنا مجھ سے کسی چیز کی بابت جب تک کہ میں شروع نہ کروں آپ کے سامنے اس کا ذکر“ یعنی مجھ سے کوئی سوال کرنے میں پہل کرنا نہ میرے کسی فعل پر مجھ پر کوئی نکیر کرنا جب تک کہ میں خود ہی آپ کو مناسب وقت پر اس کے حال کے بارے میں نہ بتا دوں۔ یہ گویا حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ بالآخر حقیقت حال سے انہیں آگاہ کریں گے۔

﴿فَانْطَلَقَا حَتَّى إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا﴾ ”پس وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو اس کو پھاڑ ڈالا“ یعنی حضرت خضر علیہ السلام نے اس کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا اور اس کے پیچھے ایک مقصد تھا جس کو وہ عنقریب بیان کریں گے۔ موسیٰ علیہ السلام اس پر صبر نہ کر سکے کیونکہ ظاہری طور پر یہ ایک برفعل تھا۔ خضر علیہ السلام نے کشتی میں عیب ڈال دیا تھا جو کشتی میں سوار لوگوں کے ڈوبنے کا باعث ہو سکتا تھا۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿أَخْرَقَتَهَا لِنَفْسٍ أَوْ أَهْلِهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا﴾ ”کیا آپ نے اس کو پھاڑ دیا تاکہ ڈوب دیں اس کے لوگوں کو“ البتہ کی آپ نے ایک چیز انوکھی“ یعنی آپ نے بہت برا کام سرانجام دیا ہے۔ اس بولنے کا سبب موسیٰ علیہ السلام کا عدم صبر تھا۔ خضر علیہ السلام نے ان سے کہا: ﴿أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ ”کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے“ یعنی بالکل اسی طرح واقع ہوا جیسا میں نے آپ سے کہا تھا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام سے بھول کر صادر ہوا تھا اس لئے انہوں نے کہا: ﴿لَا تُؤْخَذُ بِمَا نَصِبْتُ وَلَا تُرْهِقُنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا﴾ ”میری بھول پر آپ مجھے نہ پکڑیں اور نہ ڈالیں مجھ پر میرا کام مشکل“ یعنی مجھے مشکل میں نہ ڈالئے میرے ساتھ نرمی کیجئے کیونکہ بھول میں مجھ سے ایسا ہوا ہے۔ پہلی مرتبہ میری گرفت نہ کیجئے۔ پس انہوں نے اقرار اور عذر کو اکٹھا کر دیا۔ اے خضر! اپنے ساتھی پر سختی کرنا آپ کے شایان شان نہیں چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے درگزر کیا۔

﴿فَانْطَلَقَا حَتَّى إِذَا لَقِيَا غُلَامًا﴾ ”پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ ایک بچے کو ملے“ یعنی چھوٹا سا بچہ ﴿فَقَتَلَهُ﴾ ”پس (خضر علیہ السلام نے) اس کو قتل کر ڈالا“ اس پر موسیٰ علیہ السلام سخت ناراض ہوئے۔ جب خضر علیہ السلام نے اس چھوٹے سے بچے کو قتل کر دیا جس سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوا، تو موسیٰ علیہ السلام کی حمیت دینی نے جوش مارا



اور کہنے لگے: ﴿اَقْتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا ثَكْرًا﴾ ”کیا آپ نے ایک ستھری جان بغیر عوض کسی جان کے مار ڈالی بے شک آپ نے ایک نامعقول کام کیا۔“ چھوٹے سے معصوم بچے کے قتل جیسا برا کام اور کون سا ہو سکتا ہے جس کا کوئی جرم نہیں اور نہ اس نے کسی کو قتل کیا ہے۔

